امام شناسی

وکل شیء احصینہ فی امام مبین

پروفیسر ڈاکٹر
علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
(ستارۂ امتیاز)

امام شناسی

(سیٹ)

یکے از تصنیفات

پروفیسر ڈاکٹر
علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی
(ستارۂ امتیاز)

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

شائع کردہ:
دانشگاہِ خانۂ حکمت
ادارۂ عارف
3 اے نور ویلا۔ گارڈن ویسٹ کراچی 3 پاکستان
www.monoreality.org

اِمام شناسی ہی کائناتی بہشت ہے۔

اہلِ معرفت کیلئے یہ حقیقت روشن ہے کہ امامِ زمانؑ کی پاک معرفت اللہ تعالیٰ کا وہ زبردست معجزہ ہے، جس سے ساری کائنات بہشت بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث اور ارشاداتِ ائمۂ طاہرین علیہم السّلام کے بعد بزرگانِ دین کی حکیمانہ کتابوں میں بھی امام شناسی کی ضرورت و اہمیّت کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔

اِنتسابِ جدیدی: میں بہت شکرگزار اور ممنون ہوں ان تمام عزیز ساتھیوں کا، جو کتابی اور علمی خدمت میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں، اور کتابوں کی سرپرستی کر رہے ہیں، نیک نام مومن مہدی علی قاسم علی دھنجی اور ان کے اہلِ خانہ نے جس طرح امام شناسی کی اِس دینی کتاب کے موجودہ ایڈیشن میں بھرپور تعاون کیا ہے اس کا لازوال اجر و صلہ مولائے پاک عطا کرنے والا ہے، میں ایک خادم درویش کی حیثیت سے عاجزانہ دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدّوس ایسے تمام علم پرور اور علم گُستر مومنین و مومنات کو دونوں جہان کی کامیابی اور سربلندی عطا فرمائے!

میں آئی۔ ایل۔ جی، سینئر ممبر پریسیڈنٹ کمیٹی دانشگاہِ خانۂ حکمت عزیزم نصراللہ قمرالدّین کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے ایک ارضی فرشتے کو میرا دوست بنا دیا۔

نصیر الدّین نصیر (حُبِّ علی) ہونزائی (ایس آئی)
کراچی جمعۃُ المبارک، ۳، مئی ۲۰۰۲ء

املاز چیف ریکارڈ آفیسر
عرفت روحی امین الدّین

مہدی علی قاسم علی دھنجی اور اہلِ خانہ

مہدی علی قاسم علی دھنجی ڈھاکہ بنگلہ دیش میں ۱۹۶۴ء میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی، ۱۹۷۱ء کے بعد آپ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کراچی منتقل ہو گئے، آپکی والدہ کا نام نور بانو قاسم علی اور والد کا نام قاسم علی دھنجی ہے، مہدی علی نے کئی سال تک ناظم آباد جماعت خانے میں ایک والنٹیئر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، آپ گزشتہ ۸ سالوں سے نصر اللہ قمر الدین، آئی۔ ایل۔ جی، سینیئر ممبر پریسیڈنٹ کمیٹی دانشگاہِ خانۂ حکمت، کے بزنس پارٹنر ہیں اور انہی کے توسط سے آپ خانۂ حکمت کی علمی کلاسس اور استادِ گرامی کی عالی قدر شخصیت سے متعارف ہوئے، اپنی طبیعت کی پاکیزگی، عشقِ مولا اور علم دوستی کی بناء پر آپ بہت جلد اس علم سے قلبی طور پر وابستہ ہو گئے، اپنی ذات کو روحانی و علمی طور پر منور کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے اس علم کو جماعت کے لئے عام کرنے کی اہمیت کو بھی سمجھ لیا اور علمی خدمت میں سبقت لے جاتے ہوئے امام شناسی جیسی اہم کتاب کی بارِ نو اشاعت کی سرپرستی کی ذمہ داری قبول کی۔

آپ کی زوجۂ محترمہ ناہید مہدی علی کراچی میں ۱۹۷۲ء میں پیدا ہوئیں، آپ کے والد ماجد کا نام حیدر علی حسن علی لاکھانی اور والدہ کا نام حبیبہ حیدر علی ہے، ناہید مہدی علی نے ابراہیم علی بھائی اسکول کریم آباد سے میٹرک پاس کیا،

آپ کو گارڈن جماعت خانے میں کچھ سالوں تک بحیثیت لیڈی والنٹیئر خدمت انجام دینے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے، خانۂ حکمت کی علمی محفل سے آپ کا تعارف آپ کے شوہر نامدار جناب مہدی علی قاسم علی کے توسط سے ہُوا، اپنی سادہ، نیک اور مذہبی طبیعت کی وجہ سے آپ نے اس علم کی اثر پذیری کو قبول کیا اور امام کے حقیقی علم کے پھیلاؤ کے لئے مہدی علی کی کاوشوں کی بھرپور حمایت کی۔

آپ کے خاندان کے گلشن کو اپنی صدابہار معصوم مسکراہٹوں اور فرشتگانہ احساسات سے معطر کرنے والا لٹل اینجل سولجر آپ کا ساڑھے تین سالہ فرزند رحیم مہدی علی ہے، رحیم ماما بے بی کیئر اسکول میں مونٹیسری کا طالبِ علم ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ایک مثالی خط

برادرِ بزرگ مہربان شاہ (مرحوم) کے علمی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ دن ہو یا رات آپ ہمیشہ دینی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اپنے خیالات کو سپردِ قلم بھی کرتے تھے، ان کے جذبۂ دینداری اور اوصافِ مومنی کی کوئی مثال نہیں، وہ عشقِ مولا میں خود کو فنا کر دینا چاہتے تھے، موصوف کے انتقال پر میں نے انکے فرزندِ ارجمند موکھی سرفراز شاہ اور جملہ خاندان کی خدمت میں "ایک مثالی خط" تحریر کیا ہے، جو اس کتاب میں شامل ہے۔

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ایک مثالی خط

عزیز و محترم موکھی سرفراز شاہ اور جملہ معزز خاندان

دلِ دردمند سے یا علی مدد کہتا ہوں، میں آہ وافسوس سے کہہ رہا ہوں کہ میرے بزرگ و محترم اور مشفق و مہربان بھائی، جن کا پیارا نام بھی "مہربان شاہ" ہے، جو آپ کے دولت خانہ میں قیام پذیر تھے، وہ کہاں تشریف لے گئے؟ اس سے پیشتر کہ آپ کچھ فرمائیں، قرآنِ حکیم ہی سے اس سوال کا جوابِ باصواب مل جاتا ہے کہ: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ۲/۱۵۶، (ہم تو خدا ہی کے ہیں اور ہم لوٹ کر اسی کی طرف جانے والے ہیں)۔

ان کے پاکیزہ دل میں خدا، رسولؐ، اور امامِ زمانؑ کی کتنی اور کیسی شدید محبت تھی! وہ قرآنِ پاک اور دینی علم کے بڑے شیدائی تھے، ایک شب خیز اور مناجاتی درویش، ایک باعمل اور پُرسوز دعاگو، ایک مومنِ صادق، ایک عاشقِ مولا، ایک مخلص جماعتی عملدار، ایک بہادر سپاہی (ماضی میں)، ایک متقی خلیفہ، پیرِ روشن ضمیر، ایک ہوشمند اور جفاکش زمیندار،

امامِ عالی مقامؑ کا ایک سرفروش اور جان نثار مرید، ایک دائم الذکر عابد، شمعِ نورِ امامت کا ایک پروانہ، جہادِ علمی کا ایک مجاہد، اور اہلِ بیت علیہم السلام کا ایک مُحِب۔

ان کا دل جذبۂ ایمانی سے سرشار، آنکھیں آسمانی عشق سے اشکبار، زبان ذکرِ الٰہی میں مشغول، جبینِ سجدہ بار بار بر زمین، ہاتھ میں اکثر اوقات تسبیح، پیروں کو خدا کے گھر چلنے میں راحت، کان منقبت سننے کے لئے مشتاق، جان ہمیشہ مائلِ جانان، روح متصلِ جنان (بہشت) اور ان کی خوبیاں اس تحریر سے بہت زیادہ ہیں۔

عزیزم سرفراز شاہ! دینی اعتبار سے یہی بہتر اور مفید تر ہے کہ آپ تمام عزیزانِ خاندان صبر اور شکر کے راستے پر ثابت قدم رہیں، کیونکہ آپ سب کا بہت بڑا امتحان ہُوا ہے، اور سب سے بڑی عبادت اسی میں ہے، آپ ان شاء اللہ، انبیاء و ائمّہ علیہم السّلام کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، الحمد للہ، مومن خدا پر توکّل کرتا ہے، یعنی اللہ کو اپنا وکیل اور کارساز قرار دیتا ہے، آپ کو دین و دنیا کی سعادتیں حاصل ہو رہی ہیں۔

قانونِ روح کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ کوئی کہیں نہیں جاتا، سب موجود ہیں، مومن صرف کثیف سے لطیف ہو جاتا ہے، چنانچہ قرآن نے فرمایا کہ شہید دراصل مرتے نہیں ہیں (۳/۱۶۹) رسولِ اکرمؐ نے اِس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا

کہ ہر مومن شہید کا درجہ رکھتا ہے، اور حضرتِ پیر نے فرمایا کہ دنیا سے آخرت تک کچھ زیادہ مسافت نہیں، لیکن درمیان میں تمہاری اپنی ہستی ہی دیوار بنی ہوئی ہے، وہ شعر یہ ہے:۔

ز دُنیا تا بعُقبیٰ نیست بسیار
ولی در رہ وجودِ تُست دیوار

پس اگر ہم اپنی ہستی کی دیوار کو درمیان سے ہٹائیں، یا اِسے شیشہ کی مانند صاف شفاف بنائیں، تو ہم تمام روحوں کو اس وقت بھی دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کا دعاگو

ن۔ن (حُبِّ علی) ہونزائی، کراچی

اتوار ۱۶ جمادی الاوّل ۱۴۱۲ھ

۲۴ نومبر ۱۹۹۱ء

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فہرستِ مضامین

اِمَامِ شناسی حِصّہ اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۔	پیش گفتار	۳
۲۔	لفظِ امام کی قرآنی حکمت اور معنوی وسعت	۱۱
۳۔	لفظِ امام کے لغوی معنی	۱۸
۴۔	کیا کوئی آسمانی کتاب امام ہو سکتی ہے؟	۲۲
۵۔	امامِ مبینؑ	۲۹
۶۔	امامؑ کی دائمیت کا تصوّر	۳۳
۷۔	خدا امامؑ سے ہر وقت مخاطب ہے۔	۳۶
۸۔	پرہیز گاروں کے امام	۳۸
۹۔	امامؑ کے روحانی فرزندوں کا درجہ	۴۲
۱۰۔	امامؑ سرچشمۂ ہدایت ہیں۔	۴۶
۱۱۔	امامؑ کے صبر اور تیقن کے معنی	۴۹
۱۲۔	نورِ امامت میں تمام چیزیں محدود ہیں۔	۵۱
۱۳۔	نورِ امامت خدا کی بولنے والی کتاب ہے۔	۵۳

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فہرستِ مضامین

اِمَامِ شنَاسِی حِصّہٴ دُوُم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۔	حرفِ آغاز	۵۷
۲۔	لفظِ نُور	۶۲
۳۔	حقیقی نُور اور خود ساختہ نُور	۶۳
۴۔	نُورِ ہدایت اور ظُلمتِ گمراہی	۶۴
۵۔	رَوشن کتاب	۶۵
۶۔	نورِ مبین	۶۶
۷۔	نور اور کتابِ مبین	۶۷
۸۔	توریت کا مقصد	۶۷
۹۔	انجیل کا مقصد	۶۸
۱۰۔	قرآنِ حکیم کا مقصد	۶۹
۱۱۔	ظُلمت کے مقابلے میں نوُر	۷۰
۱۲۔	نوُر اور ہدایت	۷۱
۱۳۔	نوُر ملے تو ابدی زندگی ملتی ہے۔	۷۳
۱۴۔	رسول کے بعد نور کی پیروی	۷۳

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۵،	نورِ الٰہی کے خلاف ناکام کوشش	۷۴
۱۶،	اتمامِ نور	۷۵
۱۷،	سورج اور چاند کی نورانی وحدت	۷۵
۱۸،	اندھیرے اور نُور	۷۶
۱۹،	کتاب، پیغمبر اور نور	۷۷
۲۰،	ھادی اور نور	۷۸
۲۱،	امامِ زمان کا نور روشن کتاب ہے	۷۹
۲۲،	کائنات کا نور	۷۹
۲۳،	ان حقائق کے مختصر دلائل	۸۱
۲۴،	نورٌ علیٰ نور	۸۴
۲۵،	نور اور اللہ تعالیٰ کی مرضی	۸۵
۲۶،	جس کیلئے خدا نور مقرر نہ کردے اُس کے لئے کوئی نور نہیں۔	۸۶
۲۷،	عالمِ دین کے سورج اور چاند	۸۷
۲۸،	کتابِ منیر	۸۸
۲۹،	ظلمات سے نور تک	۸۸
۳۰،	روشن چراغ	۹۰
۳۱،	ظلمتِ جہالت اور نورِ معرفت	۹۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۲۔	انبیاء کے معجزات، کتب اور تاویل	۹۳
۳۳۔	شرحِ صدر	۹۴
۳۴۔	زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی۔	۹۶
۳۵۔	نور کے عظیم اسرار	۹۸
۳۶۔	نورانی معجزات	۱۰۰
۳۷۔	مومنین، مومنات اور نُور	۱۰۳
۳۸۔	منافقین، منافقات اور نُور	۱۰۴
۳۹۔	نور حاصل ہونے کا درجہ	۱۰۵
۴۰۔	نور سرچشمۂ ہدایت ہے	۱۰۷
۴۱۔	پیغمبر اور امام کا نور خدا کا نور ہے	۱۰۸
۴۲۔	خدا، رسول اور نورِ امامت	۱۱۰
۴۳۔	نور ایک زندہ ذکر	۱۱۲
۴۴۔	نور اور دورِ روحانیت	۱۱۵
۴۵۔	آفتاب و ماہتاب	۱۲۰

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

فہرستِ مضامین

اِمَامْ شَنَاسِی حِصّہ سوُم

کلید نمبر	عنوانات	صفحہ
	حرفِ آغاز	۱۲۵
کلید۔ ۱	قدرتِ کاملہ	۱۳۱
〃 ۲	علمِ الٰہی	۱۳۶
〃 ۳	ہر گروہ کا قبلہ	۱۴۴
〃 ۴	موت کا تجربہ	۱۴۷
〃 ۵	ہر چیز سے روحانی ملاقات	۱۵۳
〃 ۶	اِنسی اور جِنّی شیاطین	۱۵۸
〃 ۷	آسمانی کتاب میں ہر چیز کی تفصیل	۱۶۱
〃 ۸	ہر شخص کی شناخت	۱۶۵
〃 ۹	ہر چیز کی مقدار	۱۶۹
〃 ۱۰	مومنین کو سب کچھ دیا گیا	۱۷۳
〃 ۱۱	ہر چیز کے خزانے	۱۷۷
〃 ۱۲	شہد کی مکھی کی مثال	۱۸۰
〃 ۱۳	تمام تمثیلات	۱۸۴

صفحہ	عنوانات	کلید نمبر
۱۹۰	ذوالقرنین	کلید ۱۴
۱۹۵	یاجوج وماجوج	″ ۱۵
۱۹۹	ہر چیز کی خلقت وہدایت	″ ۱۶
۲۰۳	ہر چیز کا فنا ہو جانا	″ ۱۷
۲۰۹	ہر چیز امامِ مبین میں	″ ۱۸
۲۱۵	ہر چیز کا ملکوت	″ ۱۹
۲۲۱	ہر چیز کے لئے گنجائش رحمت اور علم میں	″ ۲۰
۲۲۴	ہر چیز کا بولنا	″ ۲۱
۲۲۸	تمام چیزوں کے جوڑے	″ ۲۲

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

امام شناسی

حصّہ اوّل

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ISW
LS

Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science

Knowledge for a united humanity

پیش گفتار

تسمیہ
درودِ شریف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۳۳/۵۶ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ ۔

کتاب کی خصوصیت
اور مقصدیت

(۱) یہ کتابچہ اُن آیاتِ مقدسہ کی توضیحات و تاویلات پر مشتمل ہے جن میں امام اور امامت کا صراحت سے تذکرہ موجود ہے ۔ اگرچہ باطناً قرآنِ حکیم کی کوئی آیت امامت کے موضوع سے خالی نہیں، تاہم ظاہراً اس سلسلے میں ایسی آیتوں سے بحث کرنا نہایت ہی ضروری ہے ۔

قلبِ قرآن کے اسرارِ
عظیم

(۲) سورۂ یٰسٓ (۳۶) آیت ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر عقلی، روحی اور مادّی چیز کو امامِ اکرم کے نور میں مستغرق کر کے گھیر رکھا ہے، پھر حکمتِ قرآن کے اُصول سے ظاہر ہوا کہ جملہ موضوعات امامت کے موضوع میں اور سارے الفاظ امام کے لفظ میں سموئے ہوئے ہیں ۔ پس ضروری اور لازمی تھا کہ اُن آیاتِ کریمہ کا یکجا طور پر تاویلی بیان کیا جائے جن میں امام یا ائمہ کے الفاظ آئے ہیں ۔

مضامینِ قرآن مضمونِ
امامت میں

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

۳) جن حقیقی مومنین کا دیدۂ دل روشن ہوا ہو وہ اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کائنات و موجودات کی ہر چیز دنیا میں امام کے حیّ و حاضر ہونے کی گواہی دے رہی ہے، اور اس شہادت سے ظاہر و باطن کی کوئی شے خالی نہیں۔

دیدۂ دل کا روشن ہونا

امامِ حیّ و حاضر

۴) جب یہ ارشادِ الٰہی ظاہر ہے کہ ہر چیز امامِ مبین کے نورِ مقدس میں محدود و محصور ہے، پس یہ بات لازمی ہے کہ ہر شئی امامِ عالی مقام کی نورانیت کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آئے چنانچہ دنیائے قرآن و حدیث کے علاوہ کائنات کی ہر چیز ایسی ہی رنگین نظر آتی ہے۔

ہر چیز امامِ مبین کے نورِ اقدس میں محدود و محصور ہے۔

ہر شئی امامِ عالی مقام کی نورانیت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

۵) اگر بحکمِ حدیث یہ مان لیا جائے کہ خودشناسی کا نتیجہ خداشناسی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو انسانِ کامل کی شناخت اس موضوع سے مستثنیٰ قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ انسانِ کامل (امام) کی معرفت کے بغیر انسانِ ناقص کی اپنی معرفت خداشناسی کا نمونہ نہیں بن سکتی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ امام کی ابتدائی معرفت سے خودشناسی اور انتہائی معرفت سے خداشناسی حاصل آتی ہے۔

خودشناسی اور خداشناسی

انسانِ ناقص اور انسانِ کامل

۶) سورۂ قصص (۲۸) آیت ۸۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ یعنی ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے بجز اس کے چہرہ کے۔ جاننا چاہئے کہ خدا کے چہرہ سے اس کی معرفت مراد ہے، اور خدا کی معرفت وہ حقیقت ہے جو امام کی معرفت میں

وجہُ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

پوشیدہ ہے۔ چنانچہ مولانا علی علیہ السّلام نے فرمایا؛

وجہُ اللہ کا ارشاد

اَنَا وَجۡہُ اللّٰہِ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ یعنی میں ہی آسمانوں اور زمین میں خدا کا چہرہ (معرفت) ہوں۔

امام کی معرفت میں خُدا کی معرفت ہے۔

⑦ جب یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ امامِ عالی صفات کی معرفت خدا کی معرفت ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام علومِ الٰہی بھی اسی معرفت میں مجموع ہیں۔ یہی سبب ہے جو رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے امامِ وقت کی معرفت کے بغیر مر جائے وہ جاہلانہ موت میں مر جاتا ہے اور جاہل کا ٹھکانا آتشِ دوزخ ہے یعنی وہ علمِ الٰہی کی جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔

تمام علومِ الٰہی

جہالت دوزخ ہے۔

⑧ دینِ اسلام خدا سے جا ملنے کا راستہ ہے جسے صراطِ مستقیم یعنی راہِ راست کہتے ہیں۔ اس کی چار منزلیں ہیں۔ جو شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے ناموں سے مشہور ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں منزلِ مقصود اور درجۂ کمال معرفت ہے۔

صراطِ مستقیم کی منزلِ مقصود خدا ہے۔

اسلام کی منازلِ چہارگانہ

⑨ روایت ہے کہ شریعت بمثل رات کے ہے، طریقت ستاروں کی روشنی کی طرح ہے، حقیقت چاند کی روشنی کی طرح ہے اور معرفت سورج کی روشنی کے مثل ہے پس نورِ معرفت کی روشنی میں ہر چیز کی اصلیت کا بخوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا چار منزلوں کی مثالیں۔

⑩ معرفت اور یقین کا ایک ہی مطلب ہے اور

معرفت = یقین

یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ پس ابتدائی معرفت علم الیقین میں ہے۔ درمیانی معرفت عین الیقین میں اور انتہائی معرفت حق الیقین میں اور اس مطلب کی وضاحت یہ ہے کہ امامِ مُبین کی ابتدائی معرفت ایک ایسے علم میں ہے جو شک سے بالاتر اور بالکل یقینی ہو۔ درمیانی معرفت ایسے دیدار اور مشاہدے میں ہے جو دیدۂ باطن سے کیا جاتا ہے، اور انتہائی معرفت اس روحانی معجزاتی تجربے میں ہے جس میں حقیقی مومن کی خودی امام کے نور کے درمیان اس طرح گم ہو جاتی ہے جس طرح کہ ایک چھوٹے سے کوئلے کی تاریکی اور سیاہی انگاروں کے درمیان کھو جاتی ہے۔

معرفت کے تین درجات

حقیقی مومن کی خودی

(۱۱) امام شناسی کے بغیر پیغمبر صلعم کے نور کی معرفت ناممکن ہے اور پیغمبر کے نور کے بغیر خدا کی معرفت محال ہے۔ کیونکہ نبوّت کا دروازہ امامت ہے اور اُلوہیّت کا دروازہ نبوت۔

امام شناسی کی اہمیّت

(۱۲) زندہ موجودات کے لئے زندگی کے چار درجے مقرر ہیں۔ پہلا درجہ روحِ نباتی ہے، دوسرا روحِ حیوانی، تیسرا روحِ انسانی اور چوتھا روحِ قدسی۔ اور معرفت روحِ قدسی میں ہے۔ جو انسانِ کامل یعنی امامؑ کی مُبارک روح ہے۔

چار درجہ کی روحیں

معرفت روحِ قدسی میں ہے۔

(۱۳) اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جب معرفت امام

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

کی روح یعنی نور دیکھنے کو کہتے ہیں تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ جس نے اپنے آپ کو یعنی اپنی روح کو پہچان لیا تو بے شک اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو روح بحدِ فعل امام کی ہے وہی روح بحدِ قوت حقیقی مومن کی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ مومن کی پہلی روح نباتات سے حاصل ہوتی ہے، دوسری روح حیوانات سے تیسری روح انسانوں سے اور چوتھی روح یعنی روحِ قدسی امام سے حاصل کی جاسکتی ہے اور حقیقی مومن کو چاہئے کہ اپنی اس آخری روح کو حاصل کرے اور کما حقہٗ پہچان لیا کرے۔

(۱۴) اگر مان لیا جائے کہ انسان کے لئے چار روحیں مقرر ہیں تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جسمِ انسانی میں اُن کے آنے کے لئے راستے بھی چار ہی ہیں۔ یعنی روحِ نباتی اور روحِ حیوانی شروع شروع میں ناف کے راستے سے اور پھر منہ سے داخل ہوتی رہتی ہیں اور روحِ انسانی اور روح القدس پہلے سر کے کانوں سے پھر گوشِ ہوش سے داخل ہوتی رہتی ہیں۔

(۱۵) جس طرح یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ مادّی قسم کی غذاؤں کے بغیر روحِ نباتی اور روحِ حیوانی انسان کے جسم میں داخل ہوسکیں اسی طرح یہ امر بھی قطعی محال ہے کہ روحانی نوعیت کی غذاؤں کے بغیر روحِ انسانی اور روح القدس انسان کے دل و دماغ میں جاگزین ہوں اور روحانی غذا علم و حکمت کی باتیں ہیں۔

(۱۶) امام کے نورِ اقدس سے فیوض و برکات حاصل کر کے اپنی ذات میں معرفت والی روح یعنی روحِ قدسی پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امامِ زمان کے علمی اور عملی فرامینِ مقدس پر عمل کیا جائے اور اس کی خوشنودی ہر چیز پر مقدّم رکھی جائے۔

امامِ زمان کی اطاعت و فرمانبرداری

(۱۷) امام شناسی کی بنیادی شرط عقیدہ ہے، کیونکہ جس کا عقیدہ درست نہ ہو وہ امام کی معرفت ہرگز حاصل نہیں کر سکتا۔ اور درست عقیدہ کے لئے عموماً بچپن میں مذہبی ماحول کا بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

بچپن میں عقیدہ کی اہمیت

(۱۸) امام شناسی کی دوسری شرط امام کی دوستی و محبت ہے۔ محبت عقیدہ کی ترقی یافتہ صورت کا نام ہے۔ اور ترقی امامِ زمان کی فرمانبرداری میں ہے۔

امام سے محبت اور عشق کے ثمرات

(۱۹) امام شناسی کی تیسری ضروری شرط امامِ زمان کا عشق ہے جو محبت کی ترقی یافتہ شکل کا نام ہے اور اس کی ترقی اس بات میں ہے کہ امامِ زمان کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آگاہی حاصل کی جائے۔ کیونکہ کوئی شخص کسی چیز پر عاشق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے حسن و خوبی کو نہ دیکھے یا کسی پر سچ بولنے والے سے نہ سنے۔

امام سے عشق کس طرح سے ہو سکتا ہے؟

(۲۰) اگر مومن کے دل میں امامِ وقت کا عشق شعلہ زن ہونے لگے تو وہ خود ہی زبانِ حال اور زبانِ قال سے بتا دے گا کہ اب اس کے بعد امام شناسی کی راہ میں کس طرح

امام کا عشق گویا ایک فرشتہ ہے جو مومن کی مدد کرتا ہے۔

آگے بڑھا جا سکتا ہے۔

امام شناسی اور اس کا ذریعہ

نکاتِ مذکورہ بالا کا ماحصل یہ ہے کہ امام شناسی کے بغیر اسماعیلیت سے روحانی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اس پاک مذہب میں جو کچھ خوبیاں موجود ہیں وہ سب کی سب امام کی شناخت میں پنہاں ہیں۔ نیز مذکورہ حقائق سے یہ بات بھی ظاہر ہے کہ امام شناسی کا ذریعہ بھی خود امامِ حیّ و حاضر ہیں۔ کیونکہ مومن کی فرمانبرداری انہی کیلئے ہونا چاہئے۔

اس کتاب کا عظیم مقصد

جیسا کہ بتایا گیا کہ کسی مومن کو امامِ وقتؑ سے عشق اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ امام کی بے مثال خوبیوں کو دیکھے یا کسی سچ بولنے والے سے سُنے چنانچہ اس کتاب کو تصنیف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حقیقی مومنین امامِ عالی مقام کے علم و فضل اور روحانیت و نورانیت سے آگاہ ہو جائیں تاکہ اس سے اُن کو امامِ زمان علیہ السلام کا عشق حاصل آئے اور اس مقدس عشق سے امام شناسی حاصل کی جا سکے۔

جُملہ مومنین کے حق میں دُعائے خیر

انجیر میں پروردگارِ عالمین کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ ذاتِ کبریا اپنے بے پایاں فضل و کرم سے جملہ مومنین و مومنات کو امام شناسی کی لاانتہا دولت سے مالا مال فرمائے! اُن کو فتنۂ آخر زمان سے بچائے رکھے! ان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازے! اور دنیا و آخرت کی سرفرازی عنایت فرمائے!

آمین یارب العالمین!

فقط امامِ زمان کا ایک ادنیٰ غلام

نصیر الدین نصیرؔ (حُبِّ علی) ہونزائی
بروز بدھ ۲۱، جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ
۲؍ اگست، ۱۹۷۲ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

لفظِ امام کی قرآنی حکمت اور معنوی وُسعت

لفظِ امام قرآن میں بارہ دفعہ آیا ہے۔

"امام" کا لفظ قرآنِ حکیم کے مختلف مقامات پر واحد اور جمع کے صیغوں میں کُل بارہ دفعہ مذکور ہُوا ہے، اگر اِن تمام آیاتِ مقدّسہ کو، کہ جن میں لفظِ امام اور اس کے معنی ومقصد کا تذکرہ موجود ہے، یکجا طور پر عقل و دانش سے دیکھا جائے، تو اس سے یقیناً اس امر کا بخوبی اندازہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں امام شناسی کی حقیقتیں کس جامعیّت کے ساتھ بیان فرمائی ہیں، اور اس نے امامت جیسے موضوع میں کس قدر بے پایان وُسعتِ معنوی رکھی ہے، کہ قرآنی حکمت کی عظیم کائنات فی الاصل اِسی امامت کے موضوع کے باطن میں واقع ہے، کیونکہ امامِ عالی صفات علیہ السّلام کا پاک نور حقیقت الحقائق ہے، اس لئے امام کی حقیقتِ عالیہ کے تحت تمام موجودات کی حقیقتیں جمع ہو جاتی ہیں، چنانچہ ہم یہاں علی التّرتیب اُن بارہ آیتوں کی کچھ وضاحت کرتے ہیں، جن کے معانی و مطالب میں اسمِ امام کی بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

امام شناسی

قرآنی حکمت کی کائنات

حقیقت الحقائق

البقرہ (۲) کی آیت ۱۲۴ میں پروردگارِ عالم نے

حضرتِ ابراہیم امام

فرمایا ہے کہ: "وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور (وہ وقت یاد کیجئے) جبکہ ابراہیم کے رب نے اس کا امتحان لیا چند کلمات سے تو اس نے انہیں پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں تمہیں سب انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔"

یہاں پر یہ سوال ضرور ہونا چاہیئے، کہ اللہ تعالیٰ نے جن کلمات سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا امتحان لیا تھا وہ کس نوعیت کے کلمے تھے اور یہ بھی پوچھنا چاہیئے کہ آیا حضرت ابراہیمؑ پیغمبر تھے یا کہ امام؟ اگر کہا جائے کہ آپ ان دونوں درجوں پر فائز ہوئے تھے، پھر سوال ہوگا، کہ آیا وہ پیغمبر پہلے ہوئے تھے یا امام؟ اگر جواب ملے کہ آپ پہلے پیغمبر پھر امام ہوئے تھے، تو پھر اس کی توجیہہ کرنی ہوگی، نیز یہ سوال بھی ہو، کہ حضرتِ ابراہیم دنیا بھر کے انسانوں کے امام کیسے ہوئے؟ یعنی سیّارۂ زمین کے تمام برِاعظموں میں آپ نے کس طرح تبلیغ و دعوت کا کام انجام دیا، جبکہ اس زمانے میں پیغام رسانی کے ذرائع محدود تھے؟

اسمائے عظام

جاننا چاہیئے، کہ وہ کلمات، جن پر حضرتِ ابراہیمؑ کو آزمایا گیا، جسمانی اور روحانی حدود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے عظام تھے، مثلاً ابتدائی اسم میں حضرت آدم کی روحانیت تھی، دوسرے میں حضرت نوحؑ کی روحانی

مثالیں موجود تھیں، تیسرے میں خود حضرتِ ابراہیم کے ماضی و مستقبل پر روشنی ڈالی گئی تھی، چوتھے میں حضرتِ موسیٰ کے تمام روحانی واقعات و معجزات دکھائے گئے تھے، پانچویں اِسم میں حضرت عیسیٰ کی روحانی زندگی مندرج تھی، چھٹے میں حضور اکرمؐ کے روحانی کارنامے دکھائے گئے تھے اور ساتویں اِسم یا کلمہ میں حضرت قائم القیامت علیہ افضل التحیۃ والسّلام کے روحانی معجزات پوشیدہ تھے، نیز ان میں سے ہر ایک اسم کے ساتھ اُن حقیقتوں کی روحانی مثالیں بھی موجود تھیں، کہ عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، جد، فتح اور خیال کس معجزانہ طریق سے انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کو تائید پہنچاتے رہتے ہیں۔

حضرتِ قائمؑ

واضح رہے، کہ خدا تعالیٰ نے حضرتِ ابراہیم کو پہلے نبوّت و رسالت کے منصبِ جلیلہ سے اور اسکے بعد امامت کے درجۂ عالیہ سے سرفراز فرمایا، چونکہ امامتِ عالیہ کے کئی درجات ہیں۔ جن میں سے بعض درجات نبوّت سے پہلے اور بعض اس کے بعد آتے ہیں، تاکہ امام علیہ السلام مصلحتِ وقت کے مطابق ان میں سے کسی درجے میں ظہور فرمائے اور حاضر رہے۔

امامت کے درجات

حضرتِ ابراہیمؑ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے انسانوں کے لئے امام مقرّر ہونے کے کئی معانی ہیں، اوّل یہ کہ آپ زمانۂ آدم سے لیکر اپنے وقت تک ماضی میں سارے لوگوں کے امام تھے، دوسرے یہ کہ اپنی زندگی کے دورانِ حال میں

امام تھے، تیسرے یہ کہ اپنے سلسلۂ اولاد کی حیثیت سے مستقبل میں امام ہوئے، آپ زمانۂ ماضی میں اس طرح امام تھے، کہ دورِ آدمؑ اور دورِ نوحؑ کے تمام پیغمبروں اور اماموں کی روحانیّت میں آپ کی روحانیّت بالکل اسی طرح شریک اور شامل تھی، جس طرح کہ آپ کی روحانیت میں اُن سب کی روحانیّت ہمراز وہمکار تھی، چنانچہ اسی معنی میں ارشاد ہُوا ہے:

" اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ١٦/١٢٠ بیشک ابراہیم ایک فرمانبردار اُمّت تھا بالکل ایک طرف کے ہونیوالا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔" اُمّت کے معنی امام بھی ہیں اور اُمّت بھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے یہاں دونوں معنی دُرست اور موزون ہیں، کہ آپ راہ نمائی کی حیثیت میں امام تھے اور حضراتِ انبیاء وائمہؑ کی رُوح در روحانیّت کا جامع ہونے کی وجہ سے ایک پوری اُمّت تھے۔

حضرتِ ابراہیمؑ تمام لوگوں کے امام تھے۔

حضرتِ ابراہیم ایک فرد اور ایک اُمّت

آپ زمانۂ حال یعنی اپنے وقت میں دنیا بھر کے لوگوں کے امام اس طرح تھے، کہ کرۂ ارض کے بارہ حصّے مانے گئے ہیں، اور ہر حصّہ کو جزیرہ کہا جاتا ہے، جس کی جمع جزائر ہے، چنانچہ اِن بارہ جزائر میں سے ہر جزیرے میں ایک حجّتِ شب اور ایک حجّتِ روز کے علاوہ تیس داعی ہمیشہ موجود ہُوا کرتے ہیں، اور ہدایت کے مرکز سے خواہ پیغمبر ہو یا کہ امام، کرۂ ارض کے بارہ جزیروں کے تمام حُجّتوں کو معجزانہ ہدایت ملتی

امام کے ۱۲ حجّت

رہتی ہے، پس اِسی معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وقت میں دنیا کے سب لوگوں کے امام تھے، مگر پیغمبر اور امام کے ایسے معجزات کے لئے اِقرار کرنا عوام النّاس کے بس کی بات نہیں، جب تک کہ یہ حقائق ان کے مشاہدے میں نہیں آتے ہیں، اور جب تک کہ اس دنیا میں روحانیت کا دَور دورہ نہیں ہوتا۔

ایک عجیب دلیل

قرآنِ حکیم میں یہ ارشاد ہے کہ خنّاس (شیطان) جو جنّات اور انسان کی دونوں صورتوں میں ہے، وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسہ (بُرے خیالات) ڈالا کرتا ہے، پس اگر یہ ممکن ہے، کہ شیطان دُور و نزدیک کے لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈال کر گمراہ کر سکتا ہے، تو دوسری طرف سے یہ بھی ممکن ہے، کہ پیغمبر اور امام قریب و بعید کے کسی فرق کے بغیر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پہنچا سکتے ہیں، کیونکہ شیطان مُضِل ہے یعنی گمراہ کر دینے والا، اور پیغمبر یا کہ امام ہادی ہے، یعنی رہنمائی کرنے والا، پس اگر قانونِ قدرت مُضِل کی آواز لوگوں کے دلوں تک پہنچا دیتا اور ہادی کی آواز کسی طرح سے بھی نہ پہنچا دیتا، تو اس صورت میں لوگوں پر بڑا ظلم ہوتا، اور قیامت کے روز لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر یہ حجّت قائم ہوتی، کہ اُس نے دنیا میں کیوں گمراہی کے ذریعے کو ہم رس اور ہدایت کے وسیلے کو محدود کر رکھا تھا؟ مگر حقیقت کچھ اور ہے، وہ یہی کہ پیغمبر اور امام بارہ جزائر کے حجتوں کو روحانی اور نورانی

ہدایت پہنچاتے ہیں، اور حُجُج (یعنی حُجّتان) اپنے اپنے داعیوں کے توسط سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

حضرتِ ابراہیمؑ مستقبل میں تمام لوگوں کے امام اس معنی میں تھے، کہ جس طرح آپ کی ذاتِ عالی صفات میں زمانۂ سلف کے انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کی معجزاتی روحانیت موجود تھی، بالکل اسی طرح آپ کے سلسلۂ اولاد میں آپ کی زندہ روحانیت موجود اور حاضر تھی، جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے: "وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ٢٦/٨٤ اور میرے لئے بعد میں آنے والے لوگوں کے درمیان سچائی کی ایک زبان مقرر فرما دے۔" یہ عرض حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم سے کی تھی، نیز ارشاد ہوا ہے کہ: "وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ٤٣/٢٨ اور اس (یعنی ابراہیم) نے اسے (نبوت اور امامت کو) اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ قرار دیا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرتے رہیں۔"

باقی رہنے والا کلمہ

یہاں اس بات سے کہ ابراہیمؑ نے اپنی نبوّت و امامت کو ایک پائندہ کلمے میں اپنی اولاد میں منتقل کر دی، اُس حقیقت کی مزید تصدیق ہوئی، جو بتائی گئی تھی، کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے جن کلمات پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا امتحان لیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کے زندہ نام تھے، جو انبیاء، ائمہ اور ملائکہ کی روحانی صورت میں تھے۔

پس معلوم ہُوا، کہ ابراھیم خلیل الرحمٰن اسی معنی میں

سب دنیا جہان والوں کے امام ہیں، جب یہ نظریہ مانا گیا، کہ نورِ امامت ایک شخصیت سے دوسری شخصیت میں منتقل ہوتے ہوئے ہمیشہ دنیا میں موجود ہے، تو یہ بھی ماننا لازمی ہے، کہ اسی نورِ امامت سے دنیا کے تمام حجتوں کو، جو بارہ جزیروں پر منقسم ہیں، تائیدی ہدایت ملتی رہتی ہے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

لفظِ امام کے لُغوی معنی

سورۂ توبہ (۹) کی بارہویں آیت کا ارشاد ہے کہ:۔

" وَإِنْ نَّكَثُوْٓا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَآ أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۔ اور اگر انہوں نے اپنے عہد و پیمان کے بعد قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کی تو تم (بھی) کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو تاکہ وہ باز آجائیں، بے شک وہ ایسے ہیں، کہ اُن کی قسم کچھ چیز نہیں "۔

اِس ارشادِ الٰہی سے ظاہر ہے، کہ اَئمّہ، جو امام کی جمع ہے، کفر کے سرداروں کے لئے بھی آیا ہے، چنانچہ معلوم ہوا، کہ امام کے لُغوی معنی سردار کے ہیں، اور کسی گروہ کے سردار سے ایک ایسا شخص مُراد ہے، جو سب سے مقدّم اور بڑا ہو، مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں شخص کافروں کا سردار ہے، تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی کافر نہیں، اور کفر و کافری کا سبب اور ذریعہ وہی ہے، اور کافروں کی ساری نافرمانیوں اور گمراہیوں کی مسئولیّت بھی اُسی پر ہے، اس کے

مقابل میں اگر کہا جائے، کہ فلاں شخص مومنوں کا سردار ہے، اور یہ بات صحیح ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ اُس سے بڑھ کر کوئی مومن نہیں، اور ایمان و مؤمنی کا وسیلہ و ذریعہ وہی ہے، اور ساری ایمانداری اور ہدایت اِسی کی وجہ سے ہے، اور امامِ زمان ہی ایسا شخص ہو سکتے ہیں۔

اِس فرمانِ الٰہی کی تعلیم سے جب یہ حقیقت ثابت ہوئی، کہ کفر و کافری کے سردار ہوا کرتے ہیں، اور ان کے بغیر ظُلمتِ کفر دنیا میں پھیل نہیں سکتی، تو دوسری طرف سے لازماً یہ بھی ماننا ہی پڑے گا، کہ ہمیشہ سے دین و ایمان کے بھی سردار ہُوا کرتے ہیں، اور اُن کے حاضر و موجود ہونے کے بغیر زمانے میں دین و ایمان کی روشنی جاری نہیں ہو سکتی ہے۔

ہر چیز کی سردار ہوتی ہے۔

حکمت کا ایک اور مفہوم اِس آیۂ کریمہ میں یہ ہے، کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک ہی حاضر و موجود سردار (امام) کے حکم کے تحت منظّم اور متفق و متّحد ہو جائیں، کیونکہ ارشاد ہے کہ" تم (سب مسلمان) کفر کے سرداروں کے خلاف جنگ کرو"۔ اور اس امرِ الٰہی پر عمل نہیں ہو سکتا، جبکہ کفر کے سردار کے مقابلے میں ایمان کے سردار موجود نہ ہوں اور دنیائے اسلام اُن کے حکم کو قبول نہ کرے، اور اگر کہا جائے، کہ اِس وقت ایمان کا کوئی ایسا سردار موجود نہیں جو سارے مسلمانوں کو منظّم کر سکے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ نعوذ باللہ منہا خدا نخواہ انہونی باتوں کے لئے بھی حکم دیتا ہے، یا اس

کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاد کا یہ حکم رسول اللہ کے زمانے سے متعلّق ومحدود ہے، لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ خدائے حکیم نے جہاد جیسے ایک اہم رکن کے بنیادی ذریعے کو اب دینِ اسلام سے اٹھالیا ہو، آپ خود خداوندی عدل وانصاف کی روشنی میں سوچئے!

علمی جہاد

ظاہری جہاد نہ سہی علمی جنگ سہی بہر کیف سب مسلمانوں کے لئے سردار یعنی امام کی ضرورت ہے، آپ اِس کرّۂ ارض کے تمام مسلمین کی خستہ حالی اور بیچارگی کا تصوّر کر کے کوئی بنیادی سبب بتائیے، کہ آج مسلمان ہر جگہ مجبور کیوں ہیں؟ اور آپ اس کے سوا اور کیا بتائیں گے، کہ جو مسلمان رسولِ اکرم صلعم کے زمانے میں متفق ومتحد تھے وہ آج متفرّق ومنتشر ہیں، اور ان کے اِس افتراق وانتشار میں صدیاں گذر گئیں،

اللہ کی رسّی کی حکمتیں

حالانکہ پروردگارِ عالم نے اِس خطرناک نافرمانی سے بچنے کے لئے بروقت ارشاد فرمایا تھا کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔ تم سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ ہو جانا (کیونکہ تمہارے ہاتھ اس رسی سے چھوٹ جانے کا خطرہ ہے) اب فرقہ فرقہ ہو جانے کا الزام مسلمانوں ہی پر عائد ہوتا ہے، نہ کہ اللہ تعالےٰ کی رسی پر، کہ اس نے کیوں ان کو زوروزبردستی سے ایک مرکز پر نہیں لایا، کیونکہ خداوندِ عالم نے یہاں یہ نہیں فرمایا، کہ میری رسّی! تم سارے

مومنین و مسلمین کو اپنی ذات کی معرفت سے وابستہ کئے رکھنا اور اُن کو فرقہ فرقہ نہ ہونے دینا، بلکہ اُس نے تو یہ فرمایا کہ اے گروہِ مسلمین! تم سب یکجا طور پر خدا کی مضبوط رسی کو بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے رہنا اور فرقہ فرقہ نہ ہو جانا۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کیا کوئی آسمانی کتاب امام ہوسکتی ہے؟

سورۂ ھود (۱۱) آیت ۱۷ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً ط تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو، اور اس کے پیچھے ہی پیچھے اسی سے ایک گواہ ہو اور اس کے قبل موسیٰ کی کتاب (توریت) جو (لوگوں کے لئے) امام اور رحمت تھی (اس کی تصدیق کرتی ہو وہ شخص بہتر ہے یا کوئی دوسرا)۔

اس آیۂ کریمہ کی تعلیم یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے رب کی طرف سے دلیلِ روشن پر ہیں یعنی آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں، اور علیؑ مرتضیٰؑ جو آپ کا جزو ہیں، آپ کے پیچھے ہی پیچھے حضور کی حقانیت کا ایک گواہ ہیں، اور اس کے بارے میں ایک اور گواہ آنحضرتؐ کے قبل حضرت موسیٰ کی کتاب توریت ہے، جو لوگوں کے لئے امام اور رحمت تھی، اور یہ ساری حقیقتیں مسلمہ ہیں مگر سوال کتابِ موسیٰ یعنی توریت کے بارے میں ہے، کہ وہ کس حیثیت میں امام تھی؟

کتاب سے امام مراد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ بات عربی زبان کے دستور میں شامل ہے، کہ بعض دفعہ کسی چیز کو دوسری ایسی چیز کے نام سے پکارا جاتا ہے، جو اکثر اس کے ساتھ ہو، مثلاً اُس اونٹ کو، جو پانی کی مشکیں لادنے کے لئے مقرّر ہو، مشک یا مشکیزہ کہا جاتا ہے، اور یہ مثال عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی مل سکتی ہے، چنانچہ اہل علم اس حقیقت سے آگاہ ہیں، کہ آنحضرت صلعم کو قرآنِ مجید (۱۰-۱۱/۶۵) میں ذکر کے اسم سے موسوم کیا گیا ہے، حالانکہ ذکر قرآن کا نام ہے، اور اس معنی میں حضورِ اکرم صلعم کو قرآن کہا گیا ہے، اور یہ بات کئی وجوہ سے درُست ہے، جن میں سے کچھ وجہیں ظاہری اور کچھ باطنی ہیں، پس ثابت ہُوا، کہ روحانی پیشوا (پیغمبر یا امام) کو کتابِ الٰہی اور کتاب سماوی کو پیشوا یا امام کہا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی آسمانی کتاب یعنی توریت کو امام کے اسم سے موسوم کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے، کہ ہر الہامی کتاب فی الاصل ایک زندہ نور یعنی علم وحکمت کی روح کی حیثیّت سے ہوتی ہے، اور وہ بحقیقت امام ہی کی روح ہے، الغرض مولانا ہارون علیہ السّلام کی روحِ مقدّس حضرت موسیٰؑ پر بصورتِ روحانی کتاب وحی کی گئی تھی، پھر ان روحانی حالات و واقعات کی کچھ ترجمانی کرتے ہوئے کاغذی تحریر کی توریت لکھی گئی تھی، مگر اصل توریت روحانی اور نورانی صورت میں موجود تھی، یعنی حقیقی توریت تو امامِ عالی صفات کے نور

کتاب سے حضرتِ ہارونؑ مراد ہے۔

سے جُدا نہ تھی، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ :-

قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ الَّذِیۡ جَآءَ بِهٖ مُوۡسٰی نُوۡرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجۡعَلُوۡنَهٗ قَرَاطِیۡسَ تُبۡدُوۡنَهَا وَتُخۡفُوۡنَ كَثِیۡرًا ۶ / ۹۱ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے وہ کتاب جسے موسیٰ لیکر آئے تھے کس نے نازل کی تھی جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی جسے تم لوگوں نے کاغذات کی (تحریری) صورت دی ہے، جس میں کچھ تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر چھپاتے ہو۔

اس آیۂ مقدّسہ کی حکمت یہ بتاتی ہے، کہ توریت دو صورتوں میں موجود تھی، چنانچہ پہلی اور اصلی صورت میں توریت علم و حکمت اور رشد و ہدایت کے معجزاتی نور اور ہمہ گیر مقدّس روح کی حیثیّت سے ہارون اور موسیٰ علیہم السّلام کے دل و دماغ میں موجود تھی، جس سے بمصداق "هُدًی لِّلنَّاس" اس طرح لوگوں کو معجزانہ ہدایت ملتی تھی، کہ براہِ راست حجّتانِ جزائر کو الہامی روشنی حاصل ہوتی تھی، پھر وہ اپنے اپنے دلعیوں کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کرتے رہتے تھے، دوسری صورت میں توریت جو کچھ بھی تھی، اس کا حال آیۂ مندرجۂ بالا میں ظاہر اور واضح ہے۔

اب اس قرآنی حکمت کی تفصیل سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی، کہ توریت یقیناً اپنی اصلی حالت اور نوری کیفیت میں امام تھی، جس سے حضرت مولانا ہارون علیہ السّلام

کا پاک نور مراد ہے، اس حقیقت کی مزید تصدیق و توثیق کیلئے اس آیۂ مقدسہ پر ذرا غور کیا جائے کہ:-

قرآن امام میں رُوح = نُور ہے۔

" وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ ۴۲/۵۲

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف (یہ کتاب بصورت) ایک روح نازل کی ہے، آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس (روح) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں"۔ اس ارشادِ الٰہی سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ قرآن حکیم کی بھی ایک ایسی روحانی اور نورانی اصلیت و حقیقت موجود ہے، جس کو پیغمبر اور امام کا نور کہا جاتا ہے۔

عظیم روح نُور ہے۔

اگر کوئی شخص الہامی کتاب اور نور کے مذکورہ حقائق و معارف کے باوجود، جو قرآنِ حکیم کی روشنی میں بیان ہوئے، یہ سوال کرے، کہ آسمانی کتاب پیغمبر اور امام کے نور میں کس طرح موجود ہو سکتی ہے؟ تو اس کا مفصل جواب پھر عقلی طور پر دیا جائے گا، کہ دیکھو جب تم اپنے کسی عزیز کو ایک خط لکھتے ہو، تو وہ اپنے دل و دماغ کی معلومات سے لکھتے ہو، اس میں کبھی ایسا نہیں ہوتا، کہ جتنی معلومات لکھی گئی ہیں، وہ تمہارے ذہن سے خارج ہو کر خط میں اس طرح محدود ہو جائیں، جس

آسمانی کتاب پیغمبر اور امام کے نور میں موجود ہے۔

طرح کہ کوئی مادّی چیز ایک برتن سے دوسرے برتن میں ڈالنے کے بعد پھر وہ چیز پہلے برتن میں پائی نہیں جاتی ہے، بلکہ وہ معلومات، جو خط میں تحریر ہوئی ہیں، تمہارے دل و دماغ میں اپنی اصلی حالت پر قائم ہیں، ان میں ذرا بھی کمی نہیں آئی، وہ جب تک انسانی ذہن میں ہیں، تو ان کی تحریری صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ معلومات قلبی اور ذہنی کیفیّت میں موجود ہوتی ہیں؛ اور یہ بات اس بحث سے علیحدہ ہے، کہ انسان اپنی قوّتِ ارادی سے خیال میں بھی کوئی تحریر کر سکتا ہے۔ پس اس مثال و دلیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی، کہ قرآن کے علم و حکمت کا جو معجزاتی نورِ محمد و علی علیہما السّلام کی ذاتِ اقدس میں طلوع ہُوا تھا، وہ قرآن کے لکھنے سے کم نہیں ہو سکتا تھا۔

قرآن کے علم و حکمت کا معجزاتی نورِ محمد و علی علیہما السّلام کی ذاتِ اقدس میں

اب اگر یہاں یہ سوال بھی ہو، کہ قرآن پیغمبر اور امام کی معلومات میں سے نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ سے آنحضرتؐ پر نازل فرمایا تھا، تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا، کہ بیشک قرآن آنحضرتؐ پر لوحِ محفوظ سے نازل کیا گیا ہے، لیکن یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے، کہ وہ کس طرح نازل ہوا ہے اور لوحِ محفوظ کیا ہے، چنانچہ جاننا چاہئے، کہ قرآن ایک زندہ روح کی حیثیت سے حضورِ اکرمؐ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا ہے، اور نزولِ قرآن کا تذکرہ اسرارِ روحانیت سے مملو ہے، جس کے لئے جُدا گانہ کوئی مقالہ ہونا چاہئے، المختصر یہ ہے، کہ جو چیز دل میں نازل ہوتی ہے

لوحِ محفوظ کیا ہے؟

نزولِ قرآن اسرارِ روحانیت سے مملو ہے

وہ معلومات اور معقولات کی صورت اختیار کر لیتی ہے، اور اگر دل پاک ہے تو معلومات و معقولات کا یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے، تا آنکہ ساری کائنات و موجودات اس میں سمو آتی ہیں، چنانچہ قرآن کی روح جو حضورِ اکرم صلعم پر وحی کی گئی تھی، آپ کی ذاتِ اقدس میں عالمِ ملکوت (فرشتوں کا عالم) بن کر آگئی تھی، وہ علم و حکمت اور کشفِ حقیقت کی ایک جیتی جاگتی روشن دنیا تھی، جس کے مشاہدات اور تجربات کی ترجمانی عربی زبان میں حضورِ انور صلعم نے فرمائی، اور اسی طرح قرآنِ پاک کی تحریری صورت جمع کی گئی، لیکن قرآن کی روح یا کہ نور بلا کم و کاست حضور کی ذاتِ شریف میں آخری وقت تک موجود تھا۔

> قرآن کی روح حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس میں عالمِ ملکوت بن کر آگئی تھی۔

اب رہا سوال کہ پھر یہ روح علیِ مرتضیٰؑ میں کس طرح آئی؟ اس کے لئے جواباً تحریر کی جاتی ہے، کہ (بحکم: وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ۔) نورِ علی، امامِ مبین، کتابِ مبین، امُّ الکتاب اور لوحِ محفوظ ہے اور اس میں سب کچھ ہے، اور امام کے نور کے سوا دوسری کوئی چیز لوحِ محفوظ کے درجے میں نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر لوح کے لفظی تصوّر سے یہ مان لیا جائے، کہ خدا کی ایک بہت بڑی تختی ہے، جس پر ہر چیز لکھی ہوئی موجود ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس ظاہری قسم کی تحریر اور لکھت میں ہر چیز نہیں آ سکتی ہے، مثلاً عقل، شعور، فہم، نطق، تمیز، خوشی،

> روحِ قرآن علیِ مرتضیٰؑ میں کس طرح آئی؟

> امام کا نور = لوحِ محفوظ

غم و غصّہ، علم، حلم اور زندگی کے علاوہ عقول، نفوس، ملائکہ اور کائنات و موجودات کی ہر چیز نیز زمانہ اور اس کے بدلتے ہوئے حالات وغیرہ، یہ تمام باتیں "کُلَّ شَیٍٔ" میں داخل ہیں، پس معلوم ہوا، کہ لوحِ محفوظ امام کے نور کا نام ہے، اور یہ نور کائنات و موجودات کے ظاہر و باطن پر محیط و حاوی ہے اور اسی طرح اس میں سب کچھ ہے۔

نورِ امام کائنات و موجودات کے ظاہر و باطن پر محیط و حاوی ہے۔

جاننا چاہیئے، کہ عقلِ کُلّ خدا کا زندہ قلم ہے اور نفسِ کُلّ خدا کی زندہ تختی ہے، نیز یہ بھی جاننا چاہیئے، کہ عقلِ کُلّ مُحمّد کا نور ہے، اور نفسِ کُلّ علیؑ کا نور ہے، اور قرآن عقلِ کل کے قلم سے نفسِ کُلّ کی لوح پر رُوحانی تحریر میں لکھا گیا ہے، اب آپ ہی بتایئے، کہ آنحضرتؐ کی شخصیّت پر جو رُوحانی تحریریں منکشف ہوئیں یا جو قرآن نازل ہُوا، وہ کہاں سے ہُوا، علیؑ عالی صفات کے نور سے، جو لوحِ محفوظ کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ آنحضرتؐ کا نور قلمِ الٰہی کی حیثیت سے تھا، لیکن قلم نے تو ازل میں خدا کے امر سے لوح پر سب کچھ لکھدیا ہے، اور اب ہر چیز لوحِ محفوظ پر موجود ہے، نیز ظاہر ہے، کہ لکھنے کے لئے قلم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور پڑھنے کے لئے تختی کی طرف، پس معلوم ہُوا کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کے نور کو اُمّ الکتاب اور لوحِ محفوظ سے خدائی تحریروں کی حکمت کا مشاہدہ کیا تھا، اور یہیں سے یہ پاک قرآن حاصل آیا ہے۔

عقلِ کُلّ = قلمِ الٰہی = نورِ مُحمّد
نفسِ کل = لوحِ محفوظ = نورِ علی

قلم نے بحکمِ خدا ازل میں ہر چیز لوحِ محفوظ پر لکھ دی۔

امامِ مُبینؑ

سورۂ حجر (۱۵) آیہ ۷۹ میں ارشاد ہے کہ :-

"فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۱۵/۷۹ -
پس ہم نے ان سے بدلہ لیا اور یقیناً وہ دونوں (اجڑی ہوئی بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں۔"

اس آیۂ کریمہ کا ظاہری پہلو قومِ لوط اور قومِ شعیب اور ان دونوں کی بستیوں سے متعلق ہے، کہ وہ لوگ اپنے پیغمبروں کو جھٹلانے کے انجام میں عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئے تھے، اور اُن دونوں کی بستیاں تباہ و برباد ہو چکی تھیں، چنانچہ قومِ لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ اور قومِ شعیب کی بستی مدین تباہ و برباد ہو جانے کے آثار و نشانات عرب سے شام کو جاتے ہوئے اب بھی نظر آتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں لفظِ امام لُغوی لحاظ سے رستے کے معنی میں آیا ہے، اِس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ حکمت کے اعتبار سے بھی امام رستہ ہیں، یعنی صراطِ مستقیم اور سبیلِ خدا، اور رستے کے دوسرے اور بھی نام ہیں، جیسے مذہب، مسلک، شریعت، طریقت، منہاج وغیرہ، تو ان تمام الفاظ سے امامِ

لفظِ امام لغوی لحاظ سے رستے کے معنی بھی رکھتا ہے۔
حکمت کے اعتبار سے بھی امام رستہ ہیں۔

عالی صفات مراد ہے، کیونکہ دنیاوی اور مادّی اعتبار سے راہ اور راہ نما دو الگ الگ چیزیں ہوا کرتی ہیں، مگر دینی اور روحانی لحاظ سے ہدایت کے واحد نور کا نام راہ بھی ہے اور راہنما بھی، اِس حقیقت کی ایک روشن دلیل قرآنِ پاک سے یہ ہے جو ارشاد ہوا ہے کہ: "اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ یقیناً میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے"۔ یعنی چراغِ ہدایت اور نورِ معرفت کی روشنی میں خدا ملتا ہے، یا اس مطلب کو سادہ الفاظ میں یوں ادا کرنا چاہئے، کہ امامِ اقدس کا پاک نور ہی وہ سیدھا رستہ ہے جس پر کہ خدا ہے، اور بندگانِ خدا کے لئے خدا کا حقیقی تصوّر، دیدار و ملاقات اور معرفت اِسی نور کے رستے پر یقینی ہے، اور نور کا یہ رستہ ہمیشہ کے لئے قائم و باقی ہے۔

روحانی اعتبار سے نورِ ہدایت راہ بھی ہے اور راہ نما بھی۔

امامِ اقدس کے پاک نور کے راستے پر ہی دیدار و ملاقات اور معرفت ہے۔

اِس آیۂ مقدّسہ کی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ امامِ مبین کا مطلب جیسا کہ ذکر کیا گیا صراطِ مستقیم ہے، جو نور کا راستہ ہے، چنانچہ جب حقیقی مومنین امامِ مبین کی روحانیت و نورانیت کے رستے پر چلتے رہتے ہیں، تو وہ دیدۂ دل سے سابقہ امتوں کی بے شمار مثالوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، اور اس سلسلے میں قومِ لوط اور قومِ شعیب اور اِن دونوں کی بستیوں کا حال بھی شامل ہے۔

حقیقی مومنین کا دیدۂ دل سے سابقہ امتوں کی بے شمار مثالوں کا مشاہدہ کرنا

نیز اِس ارشادِ الٰہی میں ایک اور حکمت یہ بھی ہے، کہ عددی اصول کے اعتبار سے "ایک" کا عدد اللہ تعالیٰ

کی وحدانیت پر دلیل ہے، اور اس کے بعد "دو" کا عدد آتا ہے، جو وحدت اور کثرت کے درمیان ہے، یعنی دونوں کے مابین واسطہ اور وسیلہ ہے، اور اس کی ایک خاصیت یہ ہے، کہ کثرت کو وحدت کے قریب لاتا ہے، پس دو کا عدد از روئے حکمت مخلوقات و موجودات میں سے ایسی دو ہستیوں کے لئے مقرر ہے، جو دونوں جہان میں خدا کے بعد انہی کا درجہ ہے، جس طرح اعداد و شمار میں ایک کے بعد دو آتا ہے، اور وہ دو ہستیاں ہیں عقلِ کلّ اور نفسِ کلّ، چنانچہ اب اس لحاظ سے "وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ" کی تاویل یہ ہے کہ: عقلِ کلّ اور نفسِ کلّ امامِ مبین کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ عالمِ ہست و بود اور حدودِ روحانی میں سب سے عظیم دو فرشتے یہی ہیں۔

دو کا عدد عقلِ کُل اور نفسِ کُل پر دلالت کرتا ہے۔

"عقلِ کُل اور نفسِ کُل امامِ مُبین کے ساتھ ہیں"۔

نیز جاننا چاہئے، کہ مراتبِ کائنات میں دو سب سے بڑی چیزیں عرش و کرسی ہیں، عالمِ علمِ الٰہی میں قلم و لوح ہیں، کونِ وحدت میں ربوبیت و عبودیت ہیں، دنیائے اسلام میں قرآن و حدیث ہیں، حدودِ جسمانی میں ناطق و اساس (محمد و علی علیہما السّلام) ہیں، دائرۂ ہستی میں روحانیت و جسمانیت ہیں، مقاماتِ تعلیم میں مجمع البحرین یعنی دو ملے ہوئے سمندر ہیں، عرصۂ وجود میں دنیا و آخرت ہیں وغیرہ، چنانچہ "انهما" کی اس ضمیرِ تثنیہ میں مذکورہ دنیاؤں کی ان عظیم چیزوں کی طرف اشارہ ہے، کہ جن پر

دو کے عدد کا بحقیقت اطلاق ہوتا ہے، پس یہ حقیقت واضح اور روشن ہوئی، کہ امامِ مبین اُس ہستی کا نام ہے، جس کی ذاتِ عالی صفات سے کوئی حقیقت جُدا اور دُور نہیں۔

امام مبین کی ذاتِ عالی صفات سے کوئی حقیقت جُدا نہیں۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

امامؑ کی دائمیّت کا تصوّر

سورۂ بنی اسرائیل (۱۷) آیت ۷۱ میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمۡ ۚ [۱۷/۷۱] جس دن ہم تمام (زمانوں کے) لوگوں کو اپنے اپنے امام کے ساتھ بلائیں گے۔" یاد رہے، کہ یہ آیت لفظی معنی کے لحاظ سے اس قسم کی ہے، جس طرح کہ: قَدۡ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ [۲/۶۰] سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔ چنانچہ اس آیۂ کریمہ کی حکمت کے سلسلے میں

لفظ "اُناس" کے معانی

یہاں سب سے پہلے لفظ "اناس" کا مطلب سمجھنا ضروری ہے، اور وہ اس طرح سے ہے، کہ اناس انس کی جمع ہے، اور اس کی دوسری صورت اناسی ہے، جو کہ قرآنِ کریم میں لوگوں کی چھوٹی تقسیم کے لئے آیا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لوگوں کو اُمّتِ موسیٰؑ یا کہ قومِ موسیٰؑ کہا جاتا ہے، اور انہیں کسی اضافت و نسبت کے بغیر ناس بھی کہا جاتا ہے، مگر سب کو ملا کر اناس نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اناس قرآن میں لوگوں کی چھوٹی تقسیم کے لئے استعمال ہوا ہے، یعنی حضرت موسیٰ کی قوم کے بارہ ۱۲ قبیلوں میں سے ہر قبیلے کو اناس کہا گیا ہے۔ اس کا

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

امامِ وقت کی نسبت سے لوگ اُناس کہلاتے ہیں۔

مطلب یہ ہوا، کہ امامِ وقت کی نسبت سے انسانوں کو اناس کہا گیا ہے۔ جس طرح کہ پیغمبر کی نسبت سے لوگوں کو اُمّت یا قوم کہا جاتا ہے، چونکہ ہر ناطق پیغمبرؑ کے دور میں کئی امام ہوا کرتے ہیں، پس ہر امام کے زمانے کے لوگ اُمت اور قوم نہیں کہلائیں گے بلکہ اناس کہلائیں گے۔

حقائق بالا مظہر ہیں، کہ امامِ عالی مقام ہمیشہ سے دنیا والوں کے درمیان موجود و حاضر ہیں، اور یہی سبب ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی عدالت گاہ میں ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امامِ وقت کے ساتھ بلا لے گا۔ یہ اِس لئے کہ خدا نے امام کو دنیا والوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت اور وسیلۂ نجات بنایا ہے، مگر لوگوں نے اسے نہیں پہچانا، نیز اس لئے کہ امام علیہ السّلام لوگوں کے اعمال پر گواہ ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کا فیصلہ نہیں فرمائے گا، جب تک کہ امام علیہ السّلام ان کے اعمال کے متعلق گواہی نہ دے۔

امامؑ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہیں۔

اس اصول کا جاننا ضروری ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات پیغمبر اور امام علیہما السّلام کی نسبت سے ہیں۔ اور ایسی صفات معلوم کر لینے کا طریقہ یہ ہے، کہ خدا تعالیٰ کے ننوا ناموں کو دیکھا جائے، پھر پیغمبر کے ننوٗ ناموں کو دیکھا جائے اور اس کے بعد امامؑ کے ننوٗ ناموں کو دیکھا جائے، اب خدا کے جو جو اسمِ صفاتی پیغمبر اور امامؑ کے اسماء میں آئیں

اللہ کی بعض صفات پیغمبر اور امام علیہما السّلام کی نسبت سے ہیں۔

گے، وہ خدا کے ایسے اسماء ہوں گے، جو پیغمبر اور امام علیہما السلام کی نسبت سے ثابت ہیں۔ مثلاً خدا کے اسمائے صفاتی میں سے ایک اسم الھادی ہے، یعنی ہدایت کرنیوالا، یہی اسمِ صفت رسول اکرمؐ کا بھی ہے اور امامِ اطہرؑ کا بھی، پس دانشمندوں کے لئے ظاہر ہے، کہ خدا اِس لئے ھادی ہے، کہ اس نے ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجا اور پیغمبر اس لئے ھادی ہے، کہ اس نے اپنے وقت میں لوگوں کی ہدایت کی اور آئندہ لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنی آل سے امام مقرر فرمایا، اور کارِ ہدایت امام پر آکر مکمل ہُوا۔

اسی طرح خدا کے ناموں میں سے ایک نام الشّہید ہے، یعنی "گواہ" نیز پیغمبر اور امام علیہما السلام کا بھی یہی نام ہے اور اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا نے پیغمبر کو گواہ کے طور پر بھیجا ہے، اور پیغمبر نے بحکمِ خدا امام کو اپنی جگہ میں لوگوں پر گواہ بنایا ہے، پس لوگوں کے اعمال پر گواہِ مطلق امامِ عالی مقام ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ خدا قیامت کے دن ہر زمانہ کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائے گا۔

لوگوں کے اعمال پر گواہِ مطلق امامِ عالیمقامؑ ہیں۔

خدا امامؑ سے ہر وقت مخاطب ہے

سورۂ انبیاء (۲۱) آیت ۷۳ میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ اور ہم نے ان کو (لوگوں کے) أئمّہ بنایا کہ وہ ہمارے امر کے بموجب لوگوں کو ہدایت کرتے تھے"۔

اس آیۂ کریمہ کی حکمت سے صاف طور پر ظاہر ہے، کہ أئمّۂ برحق کا تقرر اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے، اور حضراتِ ائمۂ پروردگارِ عالم کے منشاو امر کے مطابق لوگوں کو ہدایت کیا کرتے ہیں، نیز اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے، کہ امر و ارشاد فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر وقت أئمّۂ اطہار سے مخاطب ہوتا ہے، اس خطابِ الٰہی کو خواہ ہم توفیقِ خاص کہیں یا نورانی ہدایت یا وحی بہرحال امامانِ برحق کو خدا تعالیٰ کا امر و فرمان وقت اور جگہ کی ضرورت کے موافق تازہ بتازہ حاصل ہوتا رہتا ہے، چونکہ امرِ باری تعالیٰ انہی صاحبان کے لئے مخصوص ہے، یعنی یہ حضرات ایک طرف سے تو اللہ تعالیٰ کا امر و فرمان حاصل کرتے رہتے ہیں، اور دوسری طرف سے لوگوں کو نافذ کر دیتے ہیں اور اسی معنی میں یہ حضرات اولوالامر کہلاتے ہیں۔

حضراتِ أئمّہ پروردگارِ عالم کے امر کے مطابق لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔

أئمّۂ اطہار کو خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیقِ خاص/ نورانی ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

ہر وہ دانشمند جو خدا کی ہستی کا قائل ہو، ذرا غور و فکر کر کے اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے، کہ خدا تعالیٰ کے قانونِ رحمت کی رُو سے یہ بات قطعاً ناممکن ہے، کہ خدا جو رحمان و رحیم ہے، کسی وقت دنیا والوں سے اپنا ذریعۂ امر و ہدایت (یعنی امامِ زمان) اٹھالے، نیز یہ بھی محال ہے کہ دنیا والے کسی وقت خدا کے سرچشمۂ ہدایت سے بے نیاز ہو جائیں، پس واجب و لازم ہے، کہ ہر زمانے میں امام بلباسِ بشریت لوگوں کے درمیان حیّ و حاضر ہو، خواہ نبوت کا دور ہو یا امامت کا۔

امام ہر زمانے میں بلباسِ بشریت لوگوں کے درمیان حیّ و حاضر ہے۔

واضح رہے، کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے لیکر حضرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم تک جو زمانہ گزر چکا ہے، اسے دورِ نبوت کہتے ہیں، اور آنحضرتؐ سے قیامت تک جو زمانہ گزر رہا ہے اسے دورِ امامت کہا جاتا ہے، اور ان دونوں زمانوں میں یہ فرق ہے، کہ دورِ نبوت میں بعض أئمۂ کرام علیہم السلام خدا کے امر سے امامت کے ساتھ ساتھ کارِ نبوت کو بھی انجام دیتے تھے، لیکن دورِ امامت چونکہ دورِ قیامت ہے اسلئے اس میں آلِ محمدؐ کے آئمۂ طاہرین صرف امورِ امامت سے متعلق فرائض کو انجام دیتے آئے ہیں۔

دورِ امامت، دورِ قیامت ہے۔

پرہیزگاروں کے امام

سورۂ شعراء (۲۵) آیت ۷۴، میں لفظِ امام اس انداز میں آیا ہے کہ: وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔ اور وہ لوگ جو (ہم سے) عرض کیا کرتے ہیں، کہ پروردگار ہمیں ہماری بیبیوں سے اور ہماری ذرّیت سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔

اس آیۂ مقدسہ کی حکمتوں میں سے ایک نمایاں حکمت یہ ہے، کہ اس دعا کا زیادہ تر تعلق أئمۂ کرام علیہم السّلام سے ہے، کیونکہ صرف وہی حضرات یہ شان رکھتے ہیں، کہ اپنی اولاد اور ذرّیات کی حیثیت میں بھی امام بن جائیں۔

اس آیۂ دعائیہ سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ امامِ برحق اپنی اولاد و احفاد کی شخصیتوں میں بھی امام ہوتا ہے، چنانچہ اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ درست ہے، جو کہتے ہیں کہ مولانا علیؑ شاہ کریم الحسینی حاضر امام کے جامۂ بشریت میں موجود و حاضر ہیں۔

آیۂ مذکورہ بالا کے حکیمانہ انداز میں عقل و دانش والوں

أئمۂ کرام علیہم السّلام اپنی اولاد اور ذریات کی حیثیت میں بھی امام بن جاتے ہیں۔

مولانا علیؑ آج بھی موجود و حاضر ہیں۔

سلسلۂ امامت کی لاانتہائی

کے لئے سلسلۂ امامت کی لاانتہائی کا ذکر موجود ہے، وہ اس طرح کہ نہ صرف زمانۂ ماضی میں بلکہ حال اور مستقبل میں بھی ہر امام مذکورہ ارشاد کے مطابق اپنے پروردگار سے یہی درخواست کرے گا، کہ وہ اپنی شخصیت کے علاوہ اپنے بیٹوں اور آئندہ نسل کی حیثیت میں بھی پرہیزگاروں کا امام بنتا رہے، اور بغیر کسی انتہا کے یہی سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا، اگر بہت سے زمانوں کے بعد سیّارۂ زمین کی مدتِ عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نورِ امامت کو کسی دوسرے سیارے پر منتقل کر لیگا، جیسا کہ شروع میں یہ نور دوسرے سیارے سے نازل ہوا تھا۔ جس کو ہبوطِ آدمؑ کہتے ہیں۔

ہبوطِ آدمؑ = نورِ امامت کی دوسرے سیّارے پر منتقلی

جاننا چاہئے کہ پرہیزگاروں کا امام بننے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ امامِ عالی مقام کے وجودِ مبارک سے پہلے کچھ پرہیزگار لوگ موجود ہوں۔ پھر اس کے بعد امام پیدا ہو جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے، کہ امامِ زمان کی ہدایت کے نتیجے میں کسی کو پرہیزگاری حاصل آتی ہے اور پھر امام ان سے منسوب ہو کر "امام المتقین" کہلاتا ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے، کہ جب امامؑ دنیا میں ہمیشہ سے ہیں تو نتیجے کے طور پر پرہیزگار بھی ہیں اور پرہیزگاری بھی۔

پرہیزگاری امامِ زمان کی ہدایت کے نتیجے میں آتی ہے۔

ایک اور عظیم حکمت یہاں لفظ "ذرّیّت" میں پنہان ہے، ویسے تو لفظ ذرّیّت میں ایک نہیں بلکہ بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں، مگر ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہیں، کہ

ذُرّیّت اور ذرّہ ایک ہی مادہ کے الفاظ ہیں۔ جاننا چاہیئے، کہ ذرّیّت اور اولاد کے درمیان بڑا فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ ذُرّیّت نام ہے ذرّۂ رُوح یا نقطۂ رُوح کا، جو انسان کے خون و خلیات میں ہے اور ابھی تولید کے مراحل سے نہیں گزرا ہے، اور اولاد ایسے ذرّات کو اس وقت کہا جاتا ہے، جبکہ یہ تولید کے مراحل سے آگے گزر چکے ہوں، اس حقیقت کی ایک روشن دلیل، کہ جسمِ انسانی کے خون اور خلیات کے اندر جو زندگی یا رُوحِ حیوانی کے بے شمار ذرّات موجود ہیں، ان کا قرآنی نام ذرّیّت ہے، ارشادِ قرآنی کی صورت میں یہ ہے:۔

ذرّیت اور اولاد کے درمیان فرق

ذرّیت = رُوحِ حیوانی کے ذرّات کا قرآنی نام

"وَاٰیَۃٌ لَّھُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَھُمْ فِی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ٣٦/٤١ اور ان کے لئے یہ بھی ایک معجزہ ہے، کہ یقیناً ہم نے ان کی ذرّیّت (یعنی ان کی زندگی کے ذرّات) کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا"۔ یعنی جو مومنین کشتیٔ نوحؑ میں بوقتِ طوفان سوار ہوئے تھے، ان کے خون و خلیات میں ان منکرین کی زندگی کے ذرّات یعنی ذرّیّت موجود تھی۔ نیز کلامِ پاک میں یہ بھی ارشاد ہے:۔

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ ٧/١٧٢ اور جب آپ کے ربّ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذرّیّت کو لیا"۔ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے، کہ حضرت آدمؑ کے بیٹوں کی پشتوں سے جو رُوحیں لی

گئی تھیں، ان میں دنیا بھر کے لوگوں کی روحیں شامل تھیں، کیونکہ اس موقع پر خوابِ غفلت میں سوئی ہوئی روحوں کو جس مقصد کے لئے بیدار کر دیا تھا، اس کا تعلق چند روحوں سے نہیں بلکہ ساری ارواح سے تھا، بہر کیف مذکورۂ بالا تینوں آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ذرّیت ان بے شمار روحوں کا نام ہے، جو انسانی خون دخلیات کے اندر ایک قسم کی خوابیدہ حالت میں موجود ہیں، جن میں سے صرف چند روحیں قانونِ فطرت کے مطابق اولاد کی صورت میں نمودار ہوتی ہیں، اور باقی البتہ ویسے ہی خیال، توجہ، محبت، تعلیم، دُعائے خیر وغیرہ کی روحانی لہروں سے اپنوں اور بیگانوں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں، یہی باتیں ائمۂ طاہرین کی مذکورہ دعا میں بھی پائی جاتی ہیں کہ ان حضرات کے نزدیک آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی فرزند) دو صورتوں میں ممکن ہے، چنانچہ پہلی صورت جسمانیت کی ہے اور دوسری روحانیت کی، پس "مِنْ اَزْوَاجِنَا = ہماری بیبیوں سے" میں بیٹوں، پوتوں، پڑپوتوں اور آئندہ نسل کا ذکر ہے، لیکن جاننا چاہئے کہ "وَمِنْ ذُرِّیّٰتِنَا = اور ہماری ذرّیت سے" میں جسمانی اولاد کا تذکرہ نہیں، بلکہ اس سے روحانی فرزند مراد ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے جو دعا کی گئی ہے، اس میں حضراتِ ائمہ کی جسمانی بیبیاں شریک نہیں کی گئی ہیں۔

روحیں خیال، توجہ، محبت تعلیم اور دُعائے خیر کی روحانی لہروں سے منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

ذرّیت سے روحانی فرزند مراد ہیں۔

امام؏ کے رُوحانی فرزندوں کا درجہ

سورۂ قصص (۲۸) آیت ۵ میں لفظِ امام صیغۂ جمع میں اس طرح سے آیا ہے کہ: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور کر دئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور انہی کو (لوگوں) کے أئمہ بنائیں اور انہی کو اس (سرزمین) کے وارث بنائیں۔

آیۂ مذکورۂ بالا ظاہراً حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ اور ان کے فرمانبردار مومنین کے بارے میں ہے، اور باطناً تمام أئمۂ برحق اور ان کے سارے رُوحانی فرزندوں کے بارے میں ہے، اور اس آیت کا خلاصہ و نتیجہ یہ ہے، کہ دنیا میں امامِ عالی صفاتؑ اور اس کے ماننے والوں کو کمزور سمجھا جاتا ہے، ان پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے جاتے ہیں اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے، مگر خداوندِ عالم منکرین کے ایسے ناپاک عزائم کو خاک میں ملاتا ہے، اور امامؑ اور اس کے حقیقی پیرؤوں پر احسان کرتا ہے، درختِ امامت کو پھلنے پھولنے کا موقع عنایت کرتا ہے، امام اور اس کے روحانی فرزندوں

دُنیا میں امامِ عالی صفات اور اُس کے مرید کمزور سمجھے جاتے ہیں۔

خدا امامؑ اور اسکے حقیقی پیرؤوں پر احسان کرتا ہے۔

کو ظاہری و باطنی مال و ملک کا وارث بنا دیتا ہے، اور انکو دین و دنیا کی سرداری عطا کر دیتا ہے۔

ظاہری و باطنی مال و ملک کی وراثت

ذرا غور و فکر کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ اس آیۂ کریمہ نے حقیقی مومنین یعنی امام کے روحانی فرزندوں کو درجۂ امامت میں شامل کر دیا ہے، اور اسمیں کوئی شک نہیں، اوّل اس لئے کہ دنیا کی کوئی فاتح قوم اپنا کوئی سردار منتخب کرتی ہے، تو یہ سرداری ساری قوم کی ہے، بالفاظِ دیگر پوری قوم سردار ہے، دوسرا اس لئے کہ اگر ایک شخص بادشاہ بننے میں کامیاب ہوگیا، تو اس کامیابی میں اس کے عزیز و احباب بھی شریک ہیں، اور تیسرا اس لئے کہ اگر باپ بادشاہ ہے، تو یقیناً بیٹا بھی بادشاہ ہوگا، یا کسی بڑے عہدے پر فائز ہوگا، بشرطیکہ لائق اور فرمانبردار ہو۔

امام کے روحانی فرزندوں کا درجۂ امامت میں شامل ہونا

سوال: اگر ایک ہندو اسلام قبول کرکے امامِ برحق ؑ کا مرید بنتا ہے تو وہ کس طرح امام کا روحانی فرزند ہو سکتا ہے جبکہ اس کی روح ہندوانہ تعلیم سے بنی ہوئی ہے؟

جواب: ۱۔ وہ اس طرح امام کا روحانی فرزند بن سکتا ہے، جس طرح کہ سلمان فارسی پیغمبر کا یا امام کا روحانی فرزند بن گیا تھا۔ حالانکہ وہ شروع شروع میں آتش پرست تھا۔

سلمان فارسی پیغمبر یا امام کا روحانی فرزند بن گیا تھا۔

۲۔ اگر کوئی تالاب گندہ اور ناپاک پانی سے بھرا ہوا ہے، تو اس کو بڑی آسانی سے صاف اور پاک کر دیا جا سکتا

ہے، وہ اس طرح کہ نہر سے تالاب میں پاکیزہ پانی بہا دیا جائے اور کچھ وقت کے لئے پانی کو جاری رکھا جائے۔ تاکہ یہ تازہ پانی اس گندے پانی کو مُخرج اور نکاس سے نکال دے اور تالاب میں صاف و پاک پانی رہ جائے۔

۳۔ اس سے قبل یہ بات بتا دی گئی ہے، کہ روحیں خیال، توجّہ، محبت، تعلیم، دعائے خیر وغیرہ کی روحانی لہروں سے بھی اپنوں اور بیگانوں ایں منتقل ہوتی رہتی ہیں، جس میں تالاب کے گندے پانی کی جگہ صاف پانی بھر جانے کی طرح ناپاک روحوں کو نکال کر پاک روحیں قائم رہتی ہیں۔

۴۔ اگرچہ سب کے نزدیک یہ بات مشہور ہے، کہ انسان کے اندر تین ۳ روحیں ہیں، اور انسانِ کامل کے اندر چار روحیں ہوتی ہیں، تاہم یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے، کہ ان تینوں یا چاروں کے مجموعی ذرّات بے شمار ہیں، اور سوائے خدا کے کوئی انسان ان کا شمار نہیں کر سکتا، پس ان لاتعداد روحوں میں سے ایک روح انسان کی خودی اور انائیت کے مرکز پر کام کرتی ہے باقی روحوں کا تعلق جس عضو سے ہو، وہی کام کرتی رہتی ہیں مگر سب کے سب اس بات کی مُتمنّی ہوتی ہیں کہ وہ مرکز پر قبضہ کریں چنانچہ ذکر و عبادت کے نتیجے میں ان ذرّات کو موقع میسر ہوتا ہے، کہ روح کا مرکزی ذرّہ خدا کے نور میں تحلیل ہو جاتا ہے، اور قریب کا کوئی دوسرا ذرّہ اسی وقت مرکز پر آتا ہے، اور عبادت سے ہی سلسلہ ہمیشہ کے لئے

انسان کے اندر تین (۳) روحیں ہیں۔

انسانِ کامل کے اندر چار (۴) روحیں ہیں۔

خودی اور انائیت کے مرکز پر روح کا کام کرنا۔

رُوح کے مرکزی ذرّے کا نورِ خدا میں تحلیل ہو جانا۔

تحلیلِ نفس

جاری رہتا ہے، اسی چیز کا نام صوفیوں کے نزدیک تحلیلِ نفس
یا تزکیۂ نفس ہے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

امام سرچشمۂ ہدایت ہیں

سورۂ قصص (۲۸) آیت ۴۱ کا ارشاد ہے:۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا، جو آگ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کو کوئی مدد نہ دی جائے گی۔

گمراہی اور کافری بھی بغیر سردار کے ممکن نہیں۔

اس فرمانِ الٰہی سے یہ حکمت ظاہر ہے، کہ فرعون و ہامان اور ان جیسے کافر سردار لوگوں کے ایسے پیشوا تھے، جو لوگوں کو آتشِ دوزخ کی طرف بلاتے اور راہنمائی کرتے تھے، اس سے صاف طور پر معلوم ہوا، کہ نافرمانی، گمراہی اور کافری اگرچہ آسان ہے، لیکن یہ چیز بھی بغیر سردار اور پیشوا کے ممکن نہیں، پس فرمانبرداری، ہدایت اور ایمان پیشوا یعنی امام کے بغیر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ اگر قانونِ قدرت کے لئے یہ بات ضروری ہے، کہ لوگوں کے درمیان کوئی ایسا شخص ہمیشہ موجود ہو، جو کہ انہیں راہِ راست سے گمراہ کر کے دوزخ کا راستہ بتائے، پھر اس کے مقابلے میں یہ امر زیادہ ضروری ہے، کہ

دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہمیشہ موجود رہے، جو کہ صراطِ مستقیم پر لوگوں کی راہنمائی کرتے ہوئے انہیں بہشت میں پہنچا سکے، اور ایسا شخص امامِ زمان ہی ہیں۔

کفر کا سردار

پروردگارِ عالم جس شخص کو کفر کا سردار بناتا ہے، تو اس کو یوں ہی اور خالی خولی سردار نہیں بناتا بلکہ اسے ظاہری اور مادی قسم کے سامانِ تجمل اور طرح طرح کے مال یا ظاہری علم و ہنر دیدیتا ہے، تب ہی وہ لوگوں کو راہِ حق سے گمراہ کر کے جہنّم کے راستے پر چلانے میں کامیاب ہو سکتا ہے، جیسا کہ قولِ قرآن ہے؛ وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ - ۱۰/۸۸ اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تحقیق تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ تجمل اور مال دیا ہے، دنیوی زندگی میں اے ہمارے ربّ تاکہ وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں۔ پس لازمی ہے کہ خداوندِ عالم ایمان کے سردار یعنی امامؑ کو بھی کچھ مال و دولت عطا فرمائے، تاکہ وہ لوگوں کی ہدایت کر سکے، کیونکہ لوگ فطرتاً اس شخص کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، چنانچہ پروردگارِ عالم نے امام برحقؑ کو روحانی مال و ملک سے نوازا ہے، جو علم و حکمت کی صورت میں ہے، جس کے سبب سے عقل و دانش والے امام کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

پروردگارِ عالم نے امامِ برحق کو روحانی مال و ملک سے نوازا ہے۔

آیۂ مذکورۂ بالا کی حکمتوں میں یہ بھی ارشاد ہے، کہ قیامت کے دن یعنی دورِ روحانیت میں کفر کے سرداروں کو کوئی مدد نہ دی جائے گی، پھر معلوم ہُوا کہ اس حال کے برعکس ایمان کے سرداروں کو مدد دی جائے گی، یعنی فتح و نصرت اور غالبیّت أئمّۂ اطہار اور ان کے تابعین کی ہوگی۔

قیامت کے دن (دورِ روحانیت) میں سردارانِ کفر بے یار و مددگار ہوں گے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

امام کے صبر اور تیقّن کے معنی

سورۂ سجدہ (۳۲) آیت ۲۴ میں ارشاد ہے:۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۟ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جبکہ انہوں نے صبر کیا جو ہمارے امر سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں (یعنی روحانی معجزات) کا یقین رکھتے تھے۔

آیات = روحانی معجزات

اس آیۂ مقدسہ کی وضاحت یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی جنس سے امام بنائے، جبکہ انہوں نے ظاہری اور باطنی امتحانات میں صبر اختیار کیا، پیغمبروں اور اماموں پر جو ظاہری امتحانات آتے ہیں، وہ سب کو معلوم ہیں، مگر ان سے جو باطنی امتحانات لئے جاتے ہیں، ان سے بہت کم لوگ واقف ہیں، جاننا چاہئے کہ وہ آزمائشیں خالص روحانی قسم کی ہوا کرتی ہیں، جو علم و حکمت اور رشد و ہدایت سے بھرپور ہیں، جن کے ذریعہ امام کا فرزند حدودِ دین کے مراتب سے ایک ایک کر کے عروج کرتا ہے، تا آنکہ درجۂ امامت پر فائز ہو جاتا ہے۔

باطنی امتحانات = علم و حکمت اور رشد و ہدایت سے بھرپور خالص روحانی آزمائشیں۔

اس ارشادِ الٰہی سے یہ بھی واضح ہے کہ امامِ برحقؑ

اللہ تعالیٰ کے امر سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں جس کا یہ مطلب ہُوا، کہ امام علیہ السّلام جو کچھ ہدایت فرماتے ہیں، وہ دراصل خدا کی طرف سے ہے، اور اس طرح خدا تعالیٰ کا امر و فرمان دنیا میں جاری و ساری ہے۔

امام کی ہدایت خدا کی طرف سے ہے۔

جاننا چاہیئے، کہ جو ہدایت خدا کے امر سے ہو، وہی صحیح ہدایت ہوتی ہے، اس میں منزلِ مقصود کی طرف صحیح رہنمائی، ہر مشکل سوال کا درست جواب اور زمان و مکان کے پیدا کردہ مسائل کے یقینی حل موجود ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان لانے اور ان پر یقین رکھنے میں بڑا فرق ہے، کیونکہ ایمان عام بھی ہے اور خاص بھی، مگر یقین عام نہیں خاص ہی ہے، چنانچہ آیۂ مذکورہ بالا کا یہ ارشاد، کہ أئمۂ طاہرینؑ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا یقین رکھتے ہیں، اس امر کی دلیل ہے، کہ أئمۂ کرام علیہم السّلام پر علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی ساری حکمتیں اور حقیقتیں ظاہر اور روشن ہیں، اور خدا کی کوئی نشانی ان سے پوشیدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان لانا، ان پر یقین رکھنے کے برابر نہیں۔

أئمۂ کرام علیہم السّلام پر علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کی ساری حکمتیں ظاہر ہیں۔

ان تمام باتوں کا تعلق امام شناسی سے ہے، یعنی یہ باتیں ان لوگوں کے لئے مفید ہیں، جو امامت کا عقیدہ رکھتے ہوں اور امام شناسی کی کسی نہ کسی منزل پر پہنچتے ہوں۔

نورِ امامت میں تمام چیزیں محدود ہیں

سورۂ یاسین (۳۶) آیت ۱۲ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۔ بے شک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال جن کو لوگ آگے بھیجتے جاتے ہیں اور ان کے وہ اعمال جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر (روحانی و علمی) چیز کو امامِ مبین میں گھیر کر رکھا ہے۔

روحِ علم و حکمت میں زندگی، معرفتِ امامِ مبین کے بعد ممکن ہے

اس فرمانِ الٰہی کی تاویل یہ ہے، کہ جہالت و نادانی کی موت سے علم و حکمت کی رُوح میں زندہ ہو جانا اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے متمتع ہو جانا اس وقت ممکن ہے، جبکہ کوئی شخص امامِ مبین کی معرفت تک رسا ہو جائے کیونکہ خداوندِ تبارک و تعالیٰ نے پہلے مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر فرمایا پھر اعمالِ آخرت اور آثارِ دنیا کا، اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ سب کچھ امامِ مبین کی ذاتِ بابرکات میں مجموع ہے، پس معلوم ہوا، کہ امامِ مبین کی معرفت کی روشنی میں ان تمام حقیقتوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، کہ کس طرح مردہ زندہ ہو سکتا ہے،

مشاہدۂ حقائق، امامِ مبین کی معرفت کی روشنی میں

اور اعمالِ آخرت اور آثارِ دنیا سے کیسے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

امامِ مبین کے معنی ہیں ظاہر امام اور بیان کرنے والا امام یعنی امامِ حیّ و حاضر، جس کے نورِ مقدس نے عقلِ کُلّ اور نفسِ کُلّ کی صورت میں اپنے اندر دونوں جہان کو سموئے رکھا ہے، دونوں جہان میں سب کچھ ہے اور ان سے باہر کچھ بھی نہیں۔

امامِ مُبین کے نورِ مقدس نے اپنے اندر دونوں جہانوں کو سموئے رکھا ہے۔

مبین کے معنی ہیں امامؑ دو۲ صورتوں میں ظاہر ہیں اور دو۲ صورتوں میں بولنے والا ہیں، وہ دو۲ صورتیں جسمانیّت اور نورانیت ہیں، یعنی امامِ عالی مقام بشری لباس میں بھی ظاہر ہیں اور پیکرِ نور میں بھی، وہ حدودِ جسمانی میں بھی بولنے والا ہیں اور درجاتِ روحانی میں بھی۔

امام دو صورتوں میں ظاہر اور بولنے والے ہیں۔

LS Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science Knowledge for a united humanity

نورِ امامت خدا کی بولنے والی کتاب ہے

سورۂ احقاف (۴۶) آیت ۱۲ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی (لوگوں کیلئے) رہنما اور رحمت، اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسی کی تصدیق کرنیوالی، تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنائے۔

حضرت امام ہارونؑ کا نورِ اقدس ہی حضرتِ موسیٰؑ کی اصلی کتاب تھا۔

حقیقی مومنین کو جاننا چاہئے، کہ حضرت مولانا امام ہارونؑ کا مقدس و مبارک نور ہی حضرت موسیٰؑ کی اصلی کتاب تھا، چونکہ آسمانی کتاب وحی کی کیفیت میں ایک زندہ نور ہوتی ہے، اور اسی معنی میں موسیٰ کی کتاب لوگوں کے لئے امام اور رحمت تھی، اور امامِ عالی مقام کی روحِ مقدس یعنی نور کے کتاب ہونے کا ذکر اس کتابچہ میں اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔

حضرتِ موسیٰؑ کی کتاب لوگوں کے لئے امام اور رحمت تھی۔

اسماعیلی مذہب کی تاویلی کتابوں کے مطالعے میں یہ بات بار بار آپ کے سامنے آجائے گی کہ علمِ تاویل کی

زبان میں کتاب امام یا اساس کو کہتے ہیں، چنانچہ ہر ناطق پیغمبر کا اساس اس کی نورانی کتاب ہے، اس طرح "کتابِ موسیٰ" کا مطلب حضرت مولانا امام ہارون علیہ السّلام ہیں، جن کے نورِ مبارک کا نام توریت تھا۔

مذکورہ حقیقت کے برعکس اگر ہم اس بات کو مانیں، کہ قرآن سے پہلے ظاہری توریت جس حالت میں بھی اپنے دور میں تھی، وہ لوگوں کے لئے پیشوا اور رحمت تھی، پھر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ یہودیوں نے اپنی آسمانی کتاب میں جو جو تحریفیں کی تھیں، اس میں خدا کی خوشنودی اور ہدایت و رحمت تھی، لیکن یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی توریت جس کی آیتوں میں لوگوں نے ہیر پھیر کر دیا ہو، وہ لوگوں کے لئے امام اور رحمت نہیں ہو سکتی، نہ ہی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔

کتاب = امام، اساس

اساس ہی ناطق پیغمبر کی نورانی کتاب ہے۔

کتابِ موسیٰ ع = حضرتِ امام ہارون ع

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

امام شناسی

حصّۂ دُوم

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

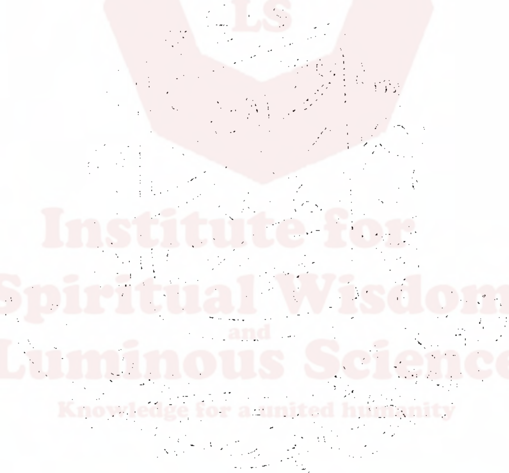

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حرفِ آغاز

ظاہری کائنات کا نور، باطنی عالم کے نور کی مثال ہے۔

جب عوام و خواص کے نزدیک یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے، کہ اس ظاہری کائنات کا نور باطنی عالم کے نور کی مثال کی حیثیّت سے ہے، تو پھر ہمیں یہاں سب سے پہلے ظاہری اور مادّی نور کی کچھ صفات بیان کرنا چاہئے، تاکہ سالکانِ راہِ حقیقت مثال میں غور وفکر کرنے کے نتیجے پر ممثول کی شناخت حاصل کرسکیں۔

چنانچہ سب جانتے ہیں، کہ جسمانی نور اس دنیا میں صرف ایک ہی ہے، اور اس کے سوا روشنی کا کوئی دوسرا سرچشمہ حقیقت میں ہے ہی نہیں، ایسا ظاہری اور مادّی نور سورج ہے، اب رہا چاند، ستاروں اور روشنی کے دوسرے تمام ذریعوں کی روشنیوں کا سوال، سو وہ فی الاصل سورج کی پیداوار ہیں، اور اس جہان میں کوئی ایسی مادّی چیز موجود نہیں ہوسکتی، جو سورج کی مختلف قوتوں سے پرورش پائے بغیر روشنی یا گرمی کا کوئی ذریعہ بن سکے، مادّی نور یعنی سورج کے اوصاف صرف یہی نہیں، بلکہ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا وہ کارخانۂ قدرت ہے، جس کے عملِ تکوین ہی کے ذریعے اس عظیم کائنات میں

ستاروں اور سیّاروں کی دنیاؤں کو وجود دیا جاتا ہے اور ان میں سے ہر دنیا میں مادّی طور پر جو کچھ ہے، وہ اسی نور کے وسیلے سے موجود ہُوا ہے۔

روحانی نور ازل سے ایک ہی ہے۔

اسی طرح روحانی نور بھی عالمِ دین اور کونِ حقیقت میں ازل سے ایک ہی ہے، جس کے واسطے سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کا ظہور ہوتا رہتا ہے، اور عالم روحانیت کی ہر چیز اسی نورِ مطلق کے ذریعے پیدا ہوئی ہے، مثلاً نور ہی سے حق تعالیٰ کا مقدّس امر و فرمان صادر ہوتا رہتا ہے، نور ہی سے ربّانی رشد و ہدایت دی جاتی ہے، نور ہی کی ایک خاص صورت عقل و دانش اور علم و حکمت ہے، نور ہی کا نام دیدۂ دل اور چشمِ بصیرت ہے، نور ہی میں حضرتِ ربّ العزّت کے اسرارِ عجائب و غرائب اور رموزِ حقائق و معارف پنہاں ہیں، نور ہی کرامات و معجزات کا منبع و مخرج ہے، نور ہی روح الارواح اور عقلِ کامل یا کہ عرش و کرسی کہلاتا ہے، نور ہی کو کتابِ منیر اور تاویلِ نورانی کہا جاتا ہے، نور ہی کا ایک دوسرا نام عالمِ عُلوی اور بہشتِ حقیقی ہے، نور ہی میں ہر چیز موجود اور محدود ہے، اور یہی نورِ مطلق سب کچھ ہے۔

نُور = عقل و دانش، علم و حکمت، چشمِ بصیرت، اسرارِ عجائب و غرائب الٰہی، روح الارواح، عالمِ علوی۔

نُور میں ہر چیز موجود و محدود ہے۔

بیانِ مذکورۂ بالا سے جب یہ ظاہر ہوا، کہ آفاق میں جسمانی نور کی بادشاہی ہے اور انفس میں روحانی نور کی سلطنت، تو آئیے کہ اب ہم دنیائے قرآن کے سورج کو دیکھیں، چنانچہ امامِ عالی مقام علیہ الصلوات والسّلام نے اشارہ فرمایا ہے، کہ قرآنی

آیۂ مصباح = خورشیدِ جہانِ حکمتِ قرآنی

آیۂ سراج = ماہتابِ عالمِ حکمتِ قرآنی

علم و حکمت کے عالم کا سورج آیۂ مصباح، چاند آیۂ سراج اور ستارے دوسری آیاتِ نور ہیں، اور اس حقیقت کا جاننا ضروری ہے، کہ یہ تمام آیاتِ نور اپنے رشتۂ معنی میں آیۂ مصباح کے ساتھ ایسی منسلک ہیں، جیسے ستارے اور چاند روشنی کے سلسلے میں سورج سے وابستہ ہیں، اِس حقیقت کی مثال یہ ہے، کہ رات کے وقت جب چمکتا ہوا چاند اور درخشان ستارے نظر آتے ہیں، تو اس وقت عام لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید چاند اور ستاروں کی یہ روشنی ان کی اپنی ذات سے ہے، لیکن اہلِ بصیرت نے معلوم کر لیا ہے، کہ اس کی حقیقت کچھ اور ہے، وہ یہ کہ اگر ہم اُسی وقت چاند اور ستاروں کی روشن دنیاؤں میں سے کسی ایک میں پرواز کر جائیں، تو اُس دنیا میں رات نہیں بلکہ دن کا کوئی وقت ہوگا، اور وہاں سے آسمان کی طرف دیکھنے سے آفتابِ منیر نظر آئے گا، اس کا مطلب یہ ہوا، کہ چاند اور تمام ستاروں کی روشنی دراصل سورج ہی کی روشنی ہے۔

آیاتِ نور کے عام معانی میں انوارِ کثیرہ کا تصوّر

بالکل اسی طرح جس وقت ہم آیاتِ نور پر نظر ڈالتے ہیں، تو فوری طور پر ہمیں ان کے عام معانی میں انوارِ کثیرہ کا تصوّر ہوتا ہے، یعنی ایسا لگتا ہے جیسے کتبِ سماویہ، انبیائے کرامؑ، ائمۂ عظامؑ اور بزرگانِ دین جُدا جُدا اور مختلف انوار ہیں، مگر جب غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے بعد حقیقی مومن کا تصوّر ان آیات کی معنوی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے، تو وہاں یکایک شک و گمان کی رات ختم ہو کر یقینِ کامل کا دن نظر آتا ہے، یعنی حصولِ معرفت کے بعد معلوم

ہوتا ہے، کہ دینی چاند اور ستاروں کا نور فی الاصل آیۂ مصباح کے سورج ہی کا نور ہے۔

جیسے نور کی ایک آیت میں ہے کہ: نُوْرُهُمْ، یعنی مومنین کا نور، تو اس کے ظاہری معنی میں البتہ یہ گمان ہوتا ہے، کہ مومنین کا یہ نور خدا کے نورِ مطلق سے الگ تھلگ کوئی ذاتی نور ہوگا، جس طرح رات کے وقت درخشاں ماہتاب اور چمکتے ستاروں کے متعلق یہ گمان ہوتا ہے، کہ یہ روشنی اِن کی اپنی اپنی ذات سے مہیّا ہوتی رہتی ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ روشنی کے اِس بے پایان سمندر کا واحد منبع و مخرج سورج ہی ہے، یہی مثال اُس نور کی بھی ہے، جو عالمِ دین کے چاند اور ستاروں سے منسوب کیا گیا ہے، کہ جب کوئی حقیقی مومن روحانی طور پر اپنے باطن کی روشنی کی بلندیوں تک رسائی حاصل کر کے مشاہدہ کرتا ہے، تو اس وقت معلوم ہوتا ہے، کہ مومن کا یہ نور اصلاً وہ نورِ مطلق ہے، جس کا ذکر آیۂ مصباح میں موجود ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ: خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ کائنات و موجودات کے باطن کے لئے ایک ایسا واحد، ہمہ رس، کافی اور جامع صفات نور ہمیشہ اور ہر جگہ حاضر و موجود ہے، کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نور کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقتاً اس میں دُوئی کی گنجائش ہے۔

متذکرۂ بالا مثالوں اور شہادتوں سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیان و ظاہر ہے، کہ آفاق و انفس اور دنیائے قرآن میں نور کا درجہ سب سے اعلیٰ، اس کی اہمیت سب سے زیادہ اور اسکی موجودگی

دینی چاند اور ستاروں کا نور فی الاصل نورِ خورشیدِ آیۂ مصباح ہی ہے۔

مومن کا نور اصلاً آیۂ مصباح میں ذکر شدہ نورِ مطلق ہی ہے۔

کائنات و موجودات کے باطن کے لئے نورِ جامع صفات

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

انتہائی ضروری ہے، لہٰذا یہ امر کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ ہر عالم میں تو اس کے تقاضاؤں کے مطابق نور موجود و حاضر ہو، اور عالمِ انسانیت میں نور کا کوئی مستقل وجود نہ ہو، اگر یہ بات ممکن ہوتی، تو ربّ العٰلمین کے معنی میں ایک خاص چیز کی کمی یہ رہ جاتی کہ خدا ہر عالم کی پرورش تو کرہی دیتا ہے، مگر دنیائے انسانیت یا عالمِ بشریت اور انسانی عقل و روح کی ہدایتی اور علمی پرورش و تربیت اس طرح سے نہیں کرتا جس طرح کہ کرنا چاہئے، ظاہر ہے کہ یہ امر محال اور خدا کی ہدایت و رحمت کے منافی ہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہمیشہ عالمِ دین میں حاضر اور موجود ہے، اور وہ امامِ برحق صلوات اللہ علیہ کے جامۂ بشریت میں موجود اور حاضر ہیں۔

نورِ ذاتِ باری عالمِ دین میں ہمیشہ امامِ برحق صلوٰات اللہ علیہ کے جامۂ بشریت میں حاضر و موجود ہے۔

چنانچہ جب یہ بات مسلّمہ ہے، کہ امامِ عالی مقام نورِ مطلق کے مظہر کا درجہ رکھتے ہیں، تو یہ امر ہمارے لئے لازمی اور ضروری ہُوا، کہ آیاتِ نور کی کچھ حقیقتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ ان مقدس آیات کے یکجا مطالعہ اور مجموعی حکمت کی روشنی میں امام شناسی کی حقیقتیں ہر مومن کے لئے آسان اور قابلِ فہم ہو جائیں اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالےٰ۔

امامِ عالی مقام نورِ مطلق کے مظہر ہیں۔

فقط بندۂ احقر

نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

لفظِ نور

اللہ تعالیٰ کی اِس عظیم حکمت میں خوب غور وفکر کیجئے، کہ لفظِ نور قرآن حکیم میں کُلّ انچاس دفعہ استعمال ہُوا ہے، جبکہ آلِ نبیؐ واولادِ علیؑ کے پاک سِلسِلۂ امامت میں ہمارے سرکارِ نامدار حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام علیہ الصلاۃ والسّلام بھی انچاسویں امام ہیں، چنانچہ خدا کی حکمت وقدرت میں یہ امر ناممکن نہیں، کہ لفظِ نور کی اِس تعداد میں قرآنِ پاک کی یہ پیش گوئی ہو، کہ نورِ امامت کے انچاسویں جامہ کے مُبارک زمانے میں باطنی اور ظاھری علم وحکمت سے دین بھی روشن ہوگا اور دنیا بھی، جیسا کہ ظاہر ہے، کہ موجودہ امامِ عالیمقام علیہ السّلام کے عہدِ مبارک میں خاص طور پر ایٹمی دَور کا آغاز ہوا اور تسخیرِ کائنات کے سلسلے میں انسان نے چاند پر فتح وکامیابی کا پرچم لہرایا۔

قرآنِ حکیم میں لفظِ نور کُلّ انچاس دفعہ استعمال ہوا ہے۔

جب آیاتِ نور کی اِس پیش گوئی سے ہمیں یقین ہُوا، کہ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ظاھر میں بھی اور باطن میں بھی روشنی کا زمانہ اور نور کا دور دورہ ہے،

پس آئیے، کہ ہم حضرت پیر سیّد، ناصر خسرو قدّس اللہ سرّہ کی حکیمانہ تعلیمات کے مطابق مذکورہ انچاس آیتوں کی کچھ وضاحت کریں، جن میں نمایاں طور پر نورِ امامت کا تذکرہ موجود ہے۔

حقیقی نور اور خود ساختہ نور

اصلی ہدایت اور نقلی ہدایت

البقرہ-۲- آیت-۱۷- میں حقیقی نور اور خود ساختہ نور یعنی اصلی ہدایت اور نقلی ہدایت کی جس طرح مثال دی گئی ہے، اس کا واضح مفہوم یہ ہے، کہ رات کی تاریکی میں دو مسافر جُدا جُدا کسی دور و دراز سفر کے لئے نکل گئے، ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بے مثال معجزانہ ٹارچ ہے، کہ اسے نہ کوئی ہوا بجھا سکتی ہے اور نہ کوئی بارش، دوسرے مسافر کے پاس صرف ماچس کی ایک ڈبیا ہے، اب ٹارچ والا بڑے اطمینان سے منزلِ مقصود کی طرف چلتا اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں پہنچ جاتا ہے، دوسرا شخص روشنی نہ ہونے کے سبب سے آگے نہیں بڑھ سکتا، وہ تاریکی سے تنگ آکر بڑی مشقت سے بیابان میں ایک آگ جلاتا ہے، اور چاہتا ہے، کہ اس کی روشنی میں اپنے سفر کی کچھ مسافت طے کرے، مگر ایک ہی جگہ پر ٹھہری ہوئی آگ کی روشنی کہاں تک روشنی دے سکتی ہے، آخرکار وہ آگ بھی بجھ جاتی ہے اور وہ مسافر اندھیری رات میں پڑا رہتا ہے۔

اِس تمثیل کی تاویل یہ ہے، کہ اہلِ نجات کے لئے امامِ حیّ وحاضر کی معرفت اور نور ہی وہ بے مثال معجزاتی ٹارچ ہے، جس کو مخالفت و دشمنی کی کوئی ہوا اور حادثاتِ زمانہ کی کوئی بارش ہرگز ہرگز نہیں بجھا سکتی، کیونکہ یہ مقدّس و مبارک نور خدائے قادر و توانا اور اس کے رسولِ برحقؐ کا ازلی و ابدی نور ہے، جو کہ ہر آسمانی کتاب اور ہر پیغمبر کے ساتھ موجود تھا، اور آنحضرتؐ کے بعد بھی اسی شان سے ہمیشہ کے لئے موجود و حاضر ہے، تاکہ اِس کی روشنی میں صراطِ مستقیم کی ہدایت حاصل ہو سکے، اِس حقیقی نور کے بغیر حصولِ ہدایت کے لئے جو بھی سعی و کوشش کی گئی ہے، اس کی مثال آیۂ مذکورۂ بالا میں بزبانِ حکمت بیان ہوئی ہے۔

نورِ امامِ حیّ وحاضر، خدائے قادر و توانا اور رسولِ برحقؐ کا ازلی و ابدی نور ہے۔

نورِ ہدایت اور ظلمتِ گمراہی

البقرہ - ۲ - آیت - ۲۵۷ میں حضرتِ احدیت کا جو ارشاد ہے، اس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے، کہ اگر دنیا میں ایک طرف گمراہی کی ظلمت ہمیشہ سے ہے، تو دوسری طرف ہدایت کا نور بھی ہمیشہ سے موجود ہے، اگر ایسا نہ ہوتا اور دنیا میں کفر و ضلالت کے کالے بادل چھائے ہوئے ہوتے اور ایمان و ہدایت کا کوئی سورج نہ ہوتا، تو وہ قانونِ قدرت کی طرف سے دنیا والوں پر بہت بڑا ظلم و ستم ہوتا۔

نورِ ہدایت اور ظلمتِ گمراہی ہمیشہ سے موجود ہیں۔

روشن کتاب

آلِ عمران - ۳ - آیت - ۱۸۴ - میں نور کا تذکرہ "الکتاب المنیر"، یعنی روشن کتاب کے عنوان سے کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ حقیقی اور رُوحانی کتاب رسول اکرمؐ اور امامِ برحقؑ کے نورِ واحد کی حیثیّت میں ہے، جو کتابِ ناطق یعنی خود گُو کتاب ہے، اِس روشن کتاب یعنی انسانِ کامل کے نور کو تاویل یا حکمت کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے (ملاحظہ ہو کتاب وجہ دین حصۂ اوّل ص ۸۲ - ۸۳) تاویل کو روشن کتاب اِس معنی میں کہا جاتا ہے، کہ وہ روحانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر اور کشف و مشاہدہ کے عالم میں موجودات کے حقائق و معارف کو واضح اور روشن کر کے دکھاتی اور بتاتی جاتی ہے، یا یوں کہنا چاہئے کہ وہی نور جو امامِ عالی صفات کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے قرآنِ پاک کی زندہ اور بولنے والی روح ہے، جس میں قرآنِ حکیم کی عملی تاویل کی ایک جیتی جاگتی وسیع دنیا سموئی ہوئی ہے، چنانچہ ہمارے نامور پیروں اور بزرگوں نے امامِ وقتؑ کی بتائی ہوئی عبادت اور ریاضت کے نتیجے پر اپنے دل و دماغ میں اِس نور یعنی روشن کتاب کا کافی مشاہدہ اور مکمّل تجربہ کر لیا، جس سے انہیں دونوں جہان کی زندہ حقیقتیں معلُوم ہوئیں۔

الکتاب المنیر = حقیقی اور روحانی کتاب = نورِ واحدِ رسولِ اکرمؐ و امامِ برحقؑ

نورِ امام ہی قرآنِ پاک کی زندہ و گویندہ روح ہے۔

نورِ مُبین

النساء۔ ۴۔ آیت۔ ۱۷۴۔ میں نورِ مبین کا لفظ آیا ہے، جس کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہیں ظاہر نور اور دوسرے معنی ہیں بولنے والا نور، اور اس آیت میں یہ دونوں معنی مناسب و موزون ہیں، جیسے سورۂ زخرف۔ ۴۳۔ آیت۔ ۱۸۔ میں مبین کا لفظ بولنے والے کے لئے استعمال ہُوا ہے، پس معلوم ہُوا کہ امامِ اطہر علیہ السّلام کا پاک نور نہ صرف جسمانی صورت میں ظاہر اور بولنے والا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ وہ رُوحانی کیفیّت میں بھی معجزانہ ظہور اور کلام کرتا ہے۔

نورِ مبین = ظاہر نور، بولنے والا نور

نورِ پاکِ امامِ اطہرؑ روحانی کیفیت میں بھی معجزانہ ظہور اور کلام کرتا ہے۔

چنانچہ مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ میں ارشادِ ربّانی ہے کہ: اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم تمہارے پاس ایک ظاہر نور نازل کر چکے ہیں۔ پس یہاں مرتبۂ نبوّت کو دلیل اور منصبِ امامت کو نُورِ مبین کہا گیا ہے، اگر یہاں کوئی شخص یہ کہے کہ دلیل سے قرآنِ مجید مراد ہے اور نور کا اشارہ رسول اکرمؐ کی طرف ہے، تو اس سے بھی نتیجے کے طور پر پھر وہی حقیقت ثابت ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا نور بجھنے والا نہیں تھا، اس لئے وہ آنحضرتؐ سے سلسلۂ امامت میں منتقل ہُوا، اور وہ آج بھی امامِ حیّ و حاضر کے جامۂ بشریت میں جلوہ گر ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔

نورِ مبین = منصبِ امامت

نُور اور کتابِ مُبین

المائدہ - ۵ - آیت - ۱۵، ۱۶ - میں پیغمبر اور امام علیہما السّلام کو ایک ہی نور قرار دیا ہے، اور قرآن کو ظاہر کتاب کہا گیا ہے، یہاں پر شاید یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کبھی نور کو اور کبھی کتاب کو ظاہر کیوں کہا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے، کہ نور اور قرآن دونوں کی صفت یہ ہے کہ وہ ایک پہلو سے ظاہر ہیں اور دوسرے پہلو سے باطن، یعنی نور کی شخصیّت اور قرآن کی تنزیل ظاہر ہیں، مگر نور کی روحانیت اور قرآن کی تاویل باطن ہیں، پس جہاں نور کی روشنی میں قرآن کی حکمت دیکھنے کی تعلیم دی گئی ہے وہاں شخصیت کے اعتبار سے نور کو ظاہر کہا گیا ہے اور اس کے برعکس جہاں قرآن کی مدد سے امامؑ کی معرفت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، وہاں تنزیل کے لحاظ سے کتاب کو ظاہر کہا گیا ہے۔

نور اور قرآن، دونوں ایک پہلو سے ظاہر اور دوسرے پہلو سے باطن ہیں۔

توریت کا مقصد

المائدہ - ۵ - آیہ - ۴۴ - میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: تحقیق ہم نے توریت نازل کی، اس میں ہدایت اور نور ہے، انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے، اس کے مطابق یہود کو حکم دیا کرتے تھے، اور (اسی طرح) اہلِ اللہ اور علماء بھی (حکم دیا کرتے تھے) جن کو اللہ کی کتاب کی حفاظت سپرد کی گئی

توریت میں ہدایت اور نور ہے۔

تھی، اور وہ اس کے گواہ تھے۔

مذکورۂ بالا آیت سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے، کہ توریت کا مقصد و منشا ہدایت اور نور تھا، یعنی توریت سے ایسی ہدایت مقصود تھی، جس سے نورِ معرفت کا راستہ ملے اور امامِ زمان کی معرفت حاصل ہو۔

توریت = ہدایت جس سے نورِ معرفت کا راستہ ملے۔

نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ خدا کی طرف سے انبیاء، اولیاء، اور علماء مقرر ہو جانے کا مقصد بھی یہی تھا، کہ وہ لوگوں کو توریت کی ہدایت کے مطابق حکم دیا کریں، تاکہ اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد وہ نور کی معرفت تک رسا ہو جائیں۔

انجیل کا مقصد

المائدہ - ۵ - آیہ - ۴۶ - میں ارشادِ ربّانی ہے کہ: اور ہم نے عیسےٰ کو انجیل دی، جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرنے والی ہے اور وہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

انجیل میں ہدایت اور نور ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا، کہ جو موضوع اور مقصد توریت کا تھا، وہی انجیل کا بھی ہے، اور وہ یہ کہ لوگوں کو ایسے قول و عمل کی ہدایت اور تعلیم دی جائے، کہ جس سے وہ نورِ امامت کا مشاہدہ کر کے معرفت حاصل کر سکیں۔

انجیل = ہدایت جس سے نورِ امامت کا مشاہدہ و معرفت حاصل ہو۔

اس آیت کے اخیر میں حق تعالیٰ کا یہ فرمانا، کہ انجیل پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے، اِس حقیقت کی

روشن دلیل ہے، کہ انجیل کی ہدایت و نصیحت پہ صرف وہی لوگ عمل پیرا ہوتے تھے، جو تمام نفسانی اور دنیاوی اغراض سے اپنے آپ کو بچانے والے تھے، تاکہ ہدایت کے ذریعہ نورِ امامت کا مشاہدہ کر سکیں اور اسے پہچان سکیں، اور ہر آسمانی کتاب کا مقصود منشاء یہی ہے۔

قرآنِ حکیم کا مقصد

المائدہ۔ ۵۔ آیت۔ ۴۸۔ میں ربّ العزّت کا فرمان ہے کہ: اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صداقت سے بھرپور ہے، اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں کی محافظ بھی ہے، تو آپ ان کے درمیان اسی بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق حکم کیجیے۔

قرآنِ مجید اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان کا محافظ ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ قرآنِ مجید کس طرح اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے؟ اور کس معنی میں ان کا محافظ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان اگلی آسمانی کتابوں کا جو مقصد تھا، وہی مقصد قرآنِ مجید کا بھی ہے، اس لئے قرآنِ پاک کے بنیادی موضوعات اور اصولی تعلیمات وہی ہیں، جو توریت، انجیل وغیرہ کی تھیں، اسی طرح قرآنِ پاک نے اگلی سماوی کتابوں کی ایسی عملی تصدیق کی، کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوسری تصدیق نہیں ہو سکتی۔

اب یہ بتائیں گے کہ قرآن کس معنی میں اگلی آسمانی

کتابوں کا محافظ ہے، چنانچہ جاننا چاہیئے کہ اگلی سماوی کتب میں جو حقائق و معارف بیان کئے گئے تھے، وہ سب کے سب قرآنِ پاک کے ظاہر و باطن میں محفوظ ہیں، پس ان دونوں باتوں سے کہ قرآن پاک اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، اور ان کا محافظ بھی ہے، یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح توریت اور انجیل کا خصوصی موضوع ہدایت اور نور ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم کا موضوع بھی ہدایت اور نور ہے، چنانچہ سورۂ نور ۔۲۴۔ آیت ۳۵ کے اس فرمانِ الٰہی پر ذرا غور و فکر کیجئے جو ارشاد ہوا ہے کہ: حق تعالیٰ جسے چاہے اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ جسے چاہے قرآن، پیغمبرؐ اور امام زمانہؑ کے توسط سے (کہ یہی مقدّس ہستیاں مشیّتِ ایزدی اور ہدایتِ الٰہی کے ذرائع ہیں) اپنے مبارک و مقدّس نور کی شناخت کرا دیتا ہے، پس معلوم ہوا، کہ توریت اور انجیل کی طرح قرآنِ مجید کا اصلی موضوع اور مقصدِ اعلیٰ ہدایت اور نور ہے۔

قرآنِ حکیم کا موضوع ہدایت اور نور ہے۔

مشیّتِ ایزدی اور ہدایتِ الٰہی کے ذرائع

ظلمت کے مقابلے میں نور

الانعام ۔ ۶ ۔ آیت ۔ ۱ ۔ میں ارشاد ہوا ہے کہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں، جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اس آیۂ مقدّسہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اس بنا پر

کی گئی ہے، کہ اُس نے آسمانوں کو اور اُن کے نیچے زمین کو پیدا اور ظلمتوں کو اور ان کے مقابلے میں نور کو مقرّر فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عالمِ دین کو پیدا کیا، جو اِس ظاہری کائنات کی طرح اپنے اندر آسمان، زمین، ظلمت اور نور رکھتا ہے، اور نور کی یہ اہمیّت ہے، کہ اگر یہ نہ ہو، تو عالمِ دین نیست و نابود ہو جائے گا، جیسا کہ یہ حقیقت سب جانتے ہیں، کہ اگر اس مادّی کائنات کے وسط میں یہ جسمانی سورج نہ ہو تو یہ جہان درہم و برہم ہو کر فنا ہو جائے گا، کیونکہ اس عالم کے قیام و نظام کا انحصار سورج پر ہے، بالکل اسی طرح عالمِ دین کے قرار و ثبات کا دار و مدار نورِ امامت پر ہے جو جہانِ دین کا سورج ہے۔

عالمِ دین کے قرار و ثبات کا دار و مدار جہانِ دین کے سورج = نورِ امامت پر ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نور اور ہدایت

الانعام۔ ٦۔ آیت۔ ٩١۔ میں فرمایا گیا ہے کہ: اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی (قدرت و توانائی کی) قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا، جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی، آپ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے وہ ہدایت ہے، جس کو تم ورق ورق کرتے ہو (یعنی نورانی کیفیت سے منتقل کر کے کاغذی تحریر کی صورت میں لاتے ہو) اور بہت سی باتوں

کو چھپاتے ہو۔

آسمانی کتاب کی زندہ روح۔

اِس آیۂ کریمہ میں آسمانی کتاب کی زندہ رُوح کے متعلق بہت سی حقیقتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں، جن کو سمجھنے کے لئے وحی و الہام کی حقیقت و کیفیت سے آگاہی ضروری و لازمی شرط ہے، چنانچہ وحی و تنزیل ایک علمی نور اور ایک زندہ رُوح کی صورت میں واقع ہوتی ہے، جس کو رُوح القدس یا رُوح الامین کا نزول کہا جاتا ہے، نیز اِس عقل و دانش کے نور اور علم و حکمت کی رُوح کو، جو بے شمار عجائب و غرائب اور کرامات و معجزات سے مملو ہے، حقیقی معنوں میں آسمانی کتاب کہا جاتا ہے، اگرچہ پیغمبرؐ کی مبارک زبان اور کاتب کے قلم سے گزر کر کاغذ پہ تحریری صورت میں نہیں آئی ہو۔

وحی و تنزیل = نزولِ روح القدس

یاد رہے کہ آسمانی کتاب تحریر میں آنے کے بعد بھی بلاکم و کاست اپنی اصلی صورت و حالت پر پیغمبرؐ اور پھر امام عالیمقام کی عظیم الشان رُوحانیت میں ہمیشہ کے لئے برجا و قائم رہتی ہے اور یہی کتاب امام علیہ السلام کا زندہ نور اور حقیقی ہدایت کہلاتی ہے۔

باطنی کتاب اور ظاہری کتاب کے مضامین

جاننا چاہئے کہ باطنی کتاب کا موضوع پہلے نور پھر ہدایت ہے، اور ظاہری کتاب کا مضمون اوّل ہدایت اور اس کے بعد نور ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ امامؑ کے مقدّس نور سے قرآن کے حقائق و معارف کا راستہ مل جاتا ہے، اور قرآن کے علم و حکمت کی ہدایت سے امام کے نور کی معرفت تک رسائی ہو سکتی ہے۔

امامؑ کے نورِ اقدس سے قرآن کے حقائق و معارف کا راستہ مل جاتا ہے۔

نور ملے تو ابدی زندگی ملتی ہے۔

الانعام۔ ۶ ۔آیت ۔ ۱۲۲۔ میں پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ: ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایسا نور دیا کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔

اس آیۂ مقدّسہ کی حکمت یہ ہے ،کہ مردہ سے جاہل مراد ہے ،زندہ کر دینے کی تاویل ہے علمِ حقیقت دینا، نور مقرر کر دینے کے معنی ہیں امامِ برحقؑ کی معرفت اور نور کا حصول، اور نور کے ذریعے سے لوگوں میں چلنے پھرنے کا اشارہ ہے ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جانا اور لوگوں کی روحانیت میں داخل ہو جانا وغیرہ۔

امامِ برحق کی معرفت اور نور سے دائمی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

رسُولؐ کے بعد نورُ کی پیروی

الاعراف ۔ ۷ ۔آیت ۔ ۱۵۷ میں یہ ارشاد ہے کہ: پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں اور اس کی مدد کرتے اور اس نور کی پیروی کرتے ہیں جو اس (نبی) کے ساتھ بھیجا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیۂ مقدّسہ کی حکمت یہ ہے :کہ مومنین رسولِ اکرمؐ پر ایمان لانے اور ان کی حمایت و مدد کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں، کیونکہ رسول کی رسالت قرآن

ہی کی صورت میں ہے اور اس سے ہرگز جدا نہیں، اب رہا نور کا سوال، جس کی مومنین نے پیروی کی، تو یہ امامت ہی کا نور ہے، کیونکہ اسلامی دور کے دو حصّے ہیں، پہلے حصّے میں عہدِ نبوّت ہے جس کا زیادہ تر تعلق تنزیلی امور سے ہے، دوسرے حصّے میں عصرِ امامت ہے، جس میں اکثر تاویلی امور پیشِ نظر ہوتے ہیں، پس یہی سبب ہے، کہ مومنین زمانۂ تنزیل میں پیغمبرؐ کی اطاعت کرتے ہیں اور زمانۂ تاویل میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کے بعد ظلمتِ غفلت وجہالت کو صرف نورِ امامِ اطہر ہی دور کر سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ اس آیۂ کریمہ میں رسولِ اکرمؐ کی اطاعت کے بعد نورِ امامت کی پیروی کا جو ذکر ہوا ہے، اس میں یہ پیشگوئی ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد غفلت وجہالت کی تاریکی پھیلنے والی ہے۔ جس کو صرف امامِ اطہرؑ کا نور ہی دور کر سکتا ہے۔

نورِ الٰہی کے خلاف ناکام کوشش

التوبہ۔ ۹۔ آیت۔ ۳۲۔ میں ارشادِ الٰہی ہے کہ: وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ کو سوائے اس کے کچھ منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کر دے، اگرچہ کافروں کو برا لگے۔

نورِ الٰہی کو بجھانے کی ناکام کوشش

اِس آیۂ کریمہ کی حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ نورِ الٰہی کو بجھانے کی ناکام کوشش وہ شخص کرتا ہے، جو اس کو نہ پہچانے اور اس سے دشمنی کرے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نور حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی طرح اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی طرح لباسِ بشریّت میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہے، مختصر یہ کہ پیغمبر اور امام علیہما السّلام سے مخالفت و دشمنی رکھنے کا سبب سوائے اندھاپن اور جہالت کے کچھ بھی نہیں، کیونکہ دنیا میں کسی ایسے کافر کا ہونا ممکن نہیں، کہ وہ اوّل تو خدا کو مانے اُس کے بعد کسی ہستی کے متعلق یہ باور کرے کہ خدا کا نور یہی ہے، اور پھر اس کو بجھا دینے کی کوشش کرے۔

اتمامِ نور

کیا خدا کا نور ازلی و ابدی طور پر تمام و کامل نہیں ہے؟

یہاں پر ایک اہم سوال یہ ہے، کہ خداوند تعالیٰ اپنے نور کو کس طرح پورا کرتا ہے؟ کیا اس کا نور ازلی و ابدی طور پر تمام و کمال کا درجہ نہیں رکھتا؟ اب اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیشک خدا کا نور ہمیشہ سے تمام و کامل ہے اور فی نفسہٖ ہرگز ہرگز کوئی کمی نہیں، لیکن عالمِ دین میں خدا کی مصلحت کے مطابق چند ادوار مقرّر ہوتے ہیں، ان میں سے ہر دَور میں خدا کا مبارک و مقدس نور علم و عمل کے ذریعے سے پاک روحوں کی ایک کثیر تعداد کو اپنے ساتھ ایک کر لیتا ہے، پس تنویرِ ارواح کے اعتبار سے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرے گا۔

تنویرِ ارواح

سورج اور چاند کی نورانی وحدت

سورۂ یونس۔ ۱۰۔ آیت۔ ۵۔ کا یہ پاک ارشاد ہے کہ:
اللہ وہی ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو نورانی بنایا

اور اس کی منزلیں مقرّر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔

اِس ربّانی فرمان کی تاویل یہ ہے کہ جس طرح سورج اور چاند جسم کے اعتبار سے دو اور روشنی کے لحاظ سے ایک ہیں اسی طرح پیغمبرؐ اور امامؑ جسمانیّت میں دو اور رُوحانیت میں ایک ہیں، نیز دورِ امامت میں امامؑ اور حجّتِ اعظم (باب) عالمِ دین کے سورج اور چاند ہیں، جن کی ظاہریّت جُدا جُدا اور باطنیّت ایک ہے۔

پیغمبرؐ اور امامؑ کی ظاہریّت جُدا جُدا اور باطنیّت ایک ہے۔

اِس آیۂ مقدّسہ کی ایک تاویلی حکمت یہ بھی ہے، کہ جس طرح ظاہری سورج اور چاند سے دنیاوی سالوں، مہینوں، ہفتوں اور دنوں کا حساب و شمار معلوم ہوتا ہے، اسی طرح باطنی سورج اور چاند سے، جو کہ پیغمبرؐ اور امامؑ یا کہ امامؑ اور باب ہیں، دینی اوقات بنتے اور معلوم ہو سکتے ہیں۔

باطنی سورج اور چاند سے دینی اوقات بنتے ہیں۔

اندھیرے اور نُور

سورۂ رعد۔ ۱۳۔ آیت۔ ۱۶۔ میں ارشاد ہوا ہے کہ:
آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوا کرتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور نور برابر ہوتے ہیں؟

یہاں قرآنِ حکیم اپنی مخصوص تاویلی زبان میں اِس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے، کہ جو شخص دین کے حقائق و معارف سے اندھا ہے، وہ اس شخص کا ہم پلّہ ہرگز نہیں، جو چشمِ بصیرت اور دیدۂ دل کی نعمت سے نوازا گیا ہے، اور نہ کفر و جہالت کے اندھیرے اور

انوارِ ایمان و عرفان برابر ہیں۔

جاننا چاہئے، کہ یہ نابینائی اور بینائی انسان کے دل سے متعلق ہے، جیسا کہ ۲۲/۴۶ کا ارشاد ہے کہ: پس تحقیق آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں، پس معلوم ہُوا کہ روحانی ظلمت و نور کا تعلق بھی دل ہی کی آنکھوں سے ہے نہ کہ سر کی آنکھوں سے۔

دل کی بینائی و نابینائی

روحانی ظلمت و نور کا تعلق چشمِ دل سے ہے۔

کتاب، پیغمبر اور نور

اللہ تعالیٰ کی عادت و سنت یہ ہے کہ وہ جب چاہے آسمانی کتاب اپنے کسی پیغمبر پر نازل فرماتا ہے، تاکہ وہ پیغمبر اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو غفلت و ناشناسی کی تاریکیوں سے نکال کر امام شناسی کے نور کی طرف لے آئے، پھر اس کے بعد بحکم خدا اپنے پورے دَور میں اِس نور یعنی امامؑ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ راست کی ہدایت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم سے فرمایا کہ:

پیغمبر کا کتاب کے ذریعے نورِ امام شناسی کی طرف دعوت کرنا اور پھر بتوسطِ نورِ امامت راہِ راست کی ہدایت کرنا۔

یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اِس لئے اُتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر زبردست لائقِ حمد اللہ تعالیٰ کے راستے پر لگائیں۔ ۱۴/۱۔

ھادی اور نور

سورۂ ابراہیم - ۱۴ - آیت - ۵ - کی مقدّس تعلیم یہ ہے کہ:
اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نُور کی طرف نکال اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلا یقیناً اِس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے کئی نشانیاں ہیں۔

قرآنِ پاک کی اِس تعلیم میں یہ حکمت پنہان ہے، کہ جب اِس دنیا میں ہمیشہ سے ایک طرف کفر و جہالت کا اندھیرا پایا جاتا ہے تو دوسری طرف دائم الوقت ایمان و ایقان کا نور بھی موجود ہے، لیکن لوگوں کی فطرت و عادت ایسی ہے، کہ وہ اپنے آپ اس ظلمت سے نکل کر نور میں داخل نہیں ہو سکتے، اِس لئے اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دیکر پیغمبرؐ یا امامؑ کی حیثیت سے ایک ہادی مقرّر فرماتا ہے، تاکہ لوگ اپنے زمانے کے ہادی کو پہچانیں اور اسکی ہدایت کے مطابق اندھیرے کو چھوڑ کر نور کے راستے پر چل سکیں۔

نورِ ایمان و ایقان اس دنیا میں دائم الوقت موجود ہے۔

ہادیٔ زمان کی معرفت اور ہدایت کے بغیر ظلمتِ جہالت سے نجات ممکن نہیں۔

یہاں پر یہ ضرور پوچھنا چاہئے، کہ حضرت موسیٰؑ کے اِس تذکرہ میں جو نشانیاں بتائی گئی ہیں وہ ہر شخص کے لئے عام کیوں نہیں ہیں؟ اور اِس کا سبب کیا ہے کہ یہ نشانیاں صرف صبر و شکر کرنے والوں کے لئے مخصوص ہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ صبر و شکر کرنے سے دیدۂ دل روشن ہو جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے مشاہدے سے اِس کا مقصد و منشار معلوم ہو سکے، اور اس کے نور یعنی امامِ زمانؑ کی معرفت حاصل کر لی جائے، اِس کے برعکس جو شخص خود غرضی، نفسانیت، بے صبری

اور ناشکری کا شکار ہو چکا ہو، تو اس کی چشمِ بصیرت پر پردۂ غفلت پڑ جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو نہیں دیکھ سکتا، جو کتابِ سماوی میں ہیں یا پیغمبرؐ اور امامؑ کے ساتھ ہیں۔

امامِ زمان کا نور روشن کتاب ہے

سورۂ حج ۲۲/۸-۹ میں پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ: اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم اور بجز ہدایت اور بدونِ روشن کتاب کے جھگڑتا ہے اپنی کروٹ موڑ کر تاکہ اللہ کی راہ سے بہکائے۔

اس تعلیمِ سماوی کی تاویل یہ ہے کہ کوئی شخص داعی، حجّت، اور امامِ زمان علیہ السّلام کی شناخت و معرفت کے بغیر خدا تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں مباحثہ و مناظرہ نہیں کر سکتا، کیونکہ داعی علم، حجّت ہدایت اور امامؑ روشن کتاب ہیں، جبکہ داعی علم الیقین، حجّت عین الیقین اور امام حق الیقین کے مراتب پر ہیں۔

داعی علم، حجّت ہدایت اور امامؑ روشن کتاب ہیں۔

اِس حقیقت کی دلیل یہ ہے کہ داعی علم الیقین سے لوگوں کو دعوت کر کے حجّت کے حوالے کر دیتا ہے، حجّت عین الیقین سے انہیں ہدایت کر کے امام کی نورانی معرفت تک پہنچا دیتا ہے اور امام اپنے نور کی روشن کتاب سے اُن پر ظاہری و باطنی موجودات کی تمام حقیقتیں واضح اور روشن کر دیتے ہیں۔

کائنات کا نور

سورۂ نور ۲۴/۳۵ میں حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو وہ چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں ہو وہ قندیل ایسی ہو گویا وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے وہ زیتون کے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل (خود بخود) روشن ہو جائے، اگر اسے آگ نہ چھوئے وہ نور پر نور ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

نورِ الٰہی علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں ہے۔

مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ کی حکمت و تاویل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا نور ظاہری و باطنی طور پر علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں موجود ہے، جو امامِ حیّ و حاضر کے مبارک وجود سے طلوع ہو کر حدودِ روحانی کے آسمانوں اور حدودِ جسمانی کی زمینوں کو منوّر کر رہا ہے، یہ نور خانۂ حکمت (یعنی نبوّت یا امامت کے گھر) سے تعلق رکھتا ہے، جس کے خاص افراد اہلِ بیت کہلاتے ہیں، جو اس نور کیلئے طاق (یعنی چراغ دان) کا درجہ رکھتے ہیں، آنحضرتؐ کی خاندانی اصالت اور علمی مرتبت قندیل کی مثال پر ہے، جو ایک درخشان ستارے کی طرح ہے، جس کے اندر امامِ اطہر کی جسمانیت گویا اِس معجزانہ چراغ کا ظرف ہے، امام علیہ السلام کی روحانیت کو زیتون کے تیل سے تشبیہہ دی گئی ہے، درختِ زیتون کا مطلب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ کا پاک خاندان ہے، اس چراغ کے تیل میں نفسِ کُلّ اور عقلِ کُلّ یعنی امام کی مقدّس روح اور ہمہ رس عقل بتی اور شعلے کی طرح ہیں، آگ کے معنی ہیں معجزانہ تائید اور

اہلِ بیت، نور کے لئے طاق (چراغ دان) ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نور پر نور کا مطلب ہے ایک امام کے بعد دوسرا امام ہونا۔

چنانچہ امامِ اطہر ؑ کی ہمہ گیر عقل کے شعلے سے جو ہدایت کی روشنی نکلتی رہتی ہے، وہ حدودِ روحانی و جسمانی کے توسّط سے کائنات و موجودات کے ظاہر و باطن میں پھیل جاتی ہے، تاکہ اس سے آسمان، زمین، عناصر، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کی ہستی و بقا کا راستہ بنتے رہے اور موجودات و مخلوقات میں سے ہر ایک اپنی صلاحیّت و قابلیت کے مطابق یہ ہدایت حاصل کر سکے۔

اِن حقائق کے مختصر دلائل

اللہ تعالیٰ اِس کائنات کی بلندی و پستی کی کُلّی ہدایت کی روشنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کو آسمانوں اور زمین کا نور یا کہ روشنی قرار دیدیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جلّ شانہٗ اِس کائنات کی بلندی و پستی کی کُلّی ہدایت کی روشنی ہے، یعنی خدا تعالیٰ کے نور نے آسمان و زمین اور ہر چیز کو نیستی کے اندھیرے سے نکال کر ہستی کی روشنی میں لایا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ آسمانوں، سیاروں اور عناصر میں جیسی بھی حرکت پائی جاتی ہے، یا جو چیز جس طرح سے ٹھہری ہوئی ہے، اس کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے نور کی رہنمائی ہے، نیز اِس کائنات کی تمام تکوینی، تخلیقی اور حفاظتی قوّتوں میں نور کی ہدایت کارفرما ہے۔

اسرارِ کائنات کا مشاہدہ و مطالعہ

اللہ تعالیٰ کے اِس کائناتی نور کے معنی یہ بھی ہیں، کہ اِس نور کی معرفت کی روشنی میں اسرارِ کائنات کا ظاہراً و باطناً مشاہدہ و مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور روحانی یا جسمانی طور پر کائنات کو مسخر کیا جا سکتا ہے۔

تسخیرِ کائنات

پس معلوم ہوا کہ خدا کا نور عقل و دانش، علم و

حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں ہے، نہ کہ کسی مادّی روشنی کی کیفیت میں۔

نورِ الٰہی، عقل و دانش، علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی صورت میں ہے۔

جب خدا کے نزدیک یہ کوئی عیب نہیں کہ آسمانوں کے علاوہ زمین بھی خدا کے نور کی روشنی میں مستغرق رہے، جس میں زمین پر رہنے والے ہر قسم کے جانور اور بُرے بھلے انسان سب شامل ہیں، پھر اس میں کیا شک ہو سکتا ہے، کہ اس کے نور کا مرکز امامِ اقدس کی ذاتِ عالی صفات میں موجود ہے۔

مرکزِ نورِ الٰہی امامِ اقدس کی ذات میں موجود ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے نور کا دیدار اور معرفت ناممکن ہوتی، تو وہ اپنے نور کی مثال کسی ایسی چیز سے نہیں دیتا جو دنیا میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہے، جب اُس نے اپنے نور کی مثال ظاہری چراغ سے دی ہے تو ثابت ہوا، کہ نورانی دیدار اور اس کی معرفت ممکنات میں سے ہیں، اور یہ صرف امامِ اقدس ہی کے وسیلہ سے ممکن ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے نور کا دیدار اور معرفت ممکن ہے؟

اگر خدا کا نور ظاہر و باطن میں قریبی مشاہدہ سے برتر اور نارسا ہوتا، تو عدل و انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ خدا اپنے نور کو سورج سے تشبیہ دے، مگر اِس نے ایسا نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے تو اپنے نور کی تشبیہ گھر کے چراغ سے دی ہے، تو معلوم ہوا، کہ اِس کا پاک نور انسانوں کے درمیان ہے جو اِنسانِ کامل یعنی امام حیّ و حاضر علیہ السلام کے جامۂ بشریت میں ہے۔

خدا نے اپنے نور کی تشبیہ چراغِ خانہ سے کیوں دی؟

اگر خدا کا نور جسمانیت کا جامہ کبھی نہیں بدلتا اور سورج کی طرح ظاہر میں ایک حال پر رہتا، تو پھر اُس صورت میں اِس

کی مثال سورج سے دی جاتی، اور چراغ سے نہیں دی جاتی۔

جس طرح اِس کائنات کے لئے ایک سورج ہے، اور گھر کے لئے کوئی چراغ ہوتا ہے، اسی طرح دنیائے انسانیت کی تاریکی دور کرنے کے لئے انسانِ کامل یعنی امامِ زمانؑ موجود ہے۔

انسانِ کامل (امامِ زمان) دُنیائے انسانیت کی تاریکی دور کرنے کیلئے موجود ہے۔

اگر عقل و دانش کی نظر میں جہالت ایک قسم کی ظلمت و تاریکی اور علم و حکمت اس کے مقابلے میں نور ہے تو لازماً یہ بھی درست اور صحیح ہے کہ علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا یہ نور بدرجۂ اتم انسانِ کامل میں موجود ہے۔

اگر دنیا ایک عالم ہے تو دین بھی ایک عالم ہے، اور اگر دنیاوی سورج مادی قسم کا ہے کہ اس میں عقل و روح نہیں، تو عالمِ دین کا نور عقل و روح رکھتا ہے اور وہ امام ہی ہے۔

عالمِ دین کا نور دنیاوی سورج کے برعکس عقل و روح رکھتا ہے۔

یہ حقیقت تقریباً سب کے نزدیک مسلّمہ ہے، کہ انسان انفرادی طور پر ایک چھوٹی سی دنیا ہے، اور اس میں روشنی کا ایک چھوٹا سا نمونہ بھی ہے، جو عقلِ جزوی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ سارے انسان بھی اجتماعی صورت میں ایک عظیم دنیا ہیں، اور اس میں ایک عظیم الشان نور بھی ہے جسے انسانِ کامل یا کہ امامِ زمانؑ کہا جاتا ہے۔

جب انسان نظریں جما کر چمکتے ہوئے سورج کو دیکھنے لگتا ہے، تو فوراً روشنی کے ذرات کی تیز بارش کی زد سے اس کی آنکھیں چُندھیا جاتی ہیں، بالکل اسی طرح جو شخص امامِ عالی مقام کی ذات و صفات پر تبصرہ و تنقید کی نظر ڈالنے لگتا ہے، تو امام

امام عالیمقام کی ذات و صفات پر تبصرہ و تنقید کی نظر ڈالنے والا چشمِ عقل سے نابینا ہو جاتا ہے۔

کی شخصیّت سے طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر وہ عقل کی آنکھ سے اندھا ہو جاتا ہے۔

اگر انسان سورج کو براہِ راست دیکھنے کی بجائے علم وحکمت اور ظاہری سائنس کی نظر سے دیکھے تو وہ سورج کے متعلق بہت سی حقیقتیں سمجھ سکتا ہے، اور اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتا ہے، اِسی طرح جو آدمی امام علیہ السّلام کو ظاہری نگاہ سے دیکھنے کی بجائے علم ومعرفت کی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش میں ہو، تو اس کی بہت بڑی سعادت مندی ہے۔

نورٌ علیٰ نور

امام کا نور ازل سے جامۂ بشریت میں موجود ہے۔

اگر ہم یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ امام کا نور ازل سے جامۂ بشریت میں اسی طرح موجود ہے جس طرح اِس وقت ہے تو نورٌ علیٰ نور کا مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا، کیونکہ نورٌ علیٰ نور میں ایک ایسا تصوّر ہے، جیسے ایک نور پہلے ہی سے موجود ہو اور دوسرا نور اس کے بعد وجود میں آئے، پھر یہ دونوں نور باہم مل کر ایک ہو جائیں، اور یہ ایک حقیقت ہے۔ پس معلوم ہوا، کہ ایک امام کے بعد دوسرا امام ہونے کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے چلے آیا ہے، اور یہ ایک ایسی جامع حقیقت ہے، کہ جس میں تمام حقیقتیں سموئی ہوئی ہیں۔

جب نورٌ علیٰ نور کے تصوّر سے یہ معلوم ہوا، کہ نور بظاہر ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، مگر انکی اصلیت وحقیقت ہمیشہ سے ایک ہی رہتی ہے، جیسے سورج کے علاوہ چاند اور تمام

انوار کا مقامِ وحدت

ستارے بھی مادّی قسم کے نور ہیں، مگر یہ تمام انوار مقامِ وحدت پر یعنی سورج کی ذات میں ایک ہیں اور ان کا آخری مقصد بھی ایک ہے۔

انوارِ الٰہی کی وحدانیت اور ارواحِ مومنین کی یگانگت کی ایک مثال

علاوہ برآن نور کی یگانگت و یک رنگی اور وحدت کی ایک واضح مثال یہ بھی ہے کہ جب ہم کسی مکان میں مختلف رنگ کے چند بلب روشن کرتے ہیں، تو ان سب کی روشنی اور رنگت ایک ہو جاتی ہے، یہ مثال ایک طرف سے انوارِ الٰہی کی وحدانیت کی ہے، اور دوسری طرف سے ارواحِ مومنین کی یگانگت کی۔

نورٌ علیٰ نورٍ کی حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ سب سے پہلے امام کا مبارک و مقدس جسم بنتا ہے، جو ظاہری اور جسمانی ہدایت کا نور ہے، اور وہ اس معنی میں نور ہے کہ ظاہری اور بنیادی ہدایت کی روشنی امام کے مبارک جسم کی بدولت ہے، پھر اس پر امام کی روحِ ناطقہ کا نور ہے، اس پر نفسِ کلّی کا نور ہے اور اس پر عقلِ کلّی کا نور قائم ہے، یہ ہوئے نور پر نور ہونے کے معنی۔

نور اور اللہ تعالیٰ کی مرضی

اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشأ کے بغیر اس کے نور کی شناخت و پیروی نہیں ہو سکتی۔

سورۂ نور ۲۴/۳۵ کی ربّانی تعلیم ہے، کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشار کے بغیر کوئی انسان اس کے نور کی شناخت اور پیروی نہیں کر سکتا۔

یہاں ایک طرف سے یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

دنیا میں ہمیشہ موجود ہے اور دوسری طرف سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہدایت کے مرحلے دو ہیں، پہلے مرحلے پر خدا کی ہدایت ہے، جس کی پیروی کرنے سے خدا کا نور مل جاتا ہے، دوسرے مرحلے پر خدا کے نور کی ہدایت ہے، جس پر چلنے سے سلامتی اور ابدی نجات مل جاتی ہے۔

ہدایت کے دو مراحل، خدا کی ہدایت اور خدا کے نور کی ہدایت۔

جس کے لئے خدا نور مقرر نہ کرے اس کے لئے کوئی نور نہیں

مذکورۂ بالا سورہ کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہوا ہے کہ: اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نور قرار نہ دے اس کے لئے تو کوئی نور ہی نہیں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور مقرر کر دینا اِس طرح سے ہے، کہ وہ رسول اکرم صلعم سے فرماتا ہے اور آنحضرت جن لوگوں کے لئے اللہ کی مرضی ہو نور مقرر کر دیتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ لوگوں کیلئے نور مقرر کرتے ہیں۔

اِس آیۂ مبارکہ کے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین ایسے نہیں کہ ان کے اعمال نہ ہوں، اعمال تو ہیں مگر بے فائدہ، کیونکہ حقائق ان سے پوشیدہ ہیں اس لئے کہ خداوند عالم نے ان کے لئے نور مقرر نہیں فرمایا ہے، پس ان کے اعمال کی مثال ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کی طرح ہے، جس کو پیاسا آدمی دور سے پانی خیال کرتا ہے، مگر جب وہ قریب آ کر دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں ریت ہی ریت ہے، یا ان کے اعمال کی مثال گہرے سمندر کے اندھیروں کی طرح ہے، کہ اِس

منکرین کے اعمال، نور مقرر نہ ہونے کی وجہ سے بے فائدہ ہیں

کو بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو جس کے اوپر دوسری لہر اور اِس کے اوپر بادل ہیں غرض اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں، کہ اگر ایسی حالت میں کوئی انسان ہاتھ نکالے تو اُسے دیکھنے کا احتمال بھی نہیں۔

عالمِ دین کے سُورج اور چاند

سورۂ فرقان (۲۵) کی آیت ۶۱ کی ہدایت یہ ہے: بہت برکت والا ہے جس نے آسمان میں برُوج بنائے اور اس میں ایک چراغ یعنی سوُرج اور نورانی چاند بنایا۔

حقیقی برکت دینی چیزوں میں ہے۔

جاننا چاہئے کہ حقیقی برکت دنیاوی چیزوں میں نہیں بلکہ دینی چیزوں میں ہے، پس اللہ تعالیٰ بہت برکت والا اِس معنی میں ہے، کہ اُس نے عالمِ دین بنایا، جس کے آسمانِ روحانیت کے بارہ برُوج بنائے یعنی بارہ حُجّت، اور اس میں سوُرج اور چاند بنایا یعنی پیغمبر اور امام دَورِ نبوّت میں، اور امام و حجّتِ اعظم دَورِ امامت میں۔

بارہ بُرُوج = بارہ حُجتان

سوُرج و چاند = پیغمبر و امام/ امام و حجّتِ اعظم

برُوج اگرچہ بارہ ہیں لیکن شب و روز کے دو حصّوں کے حساب سے وہی بارہ کے چوبیس ہوتے ہیں اور منزلوں کے حساب سے اٹھائیس ہوتے ہیں، اسی طرح امام علیہ السّلام کے حجّتانِ جزائر بارہ ۱۲ ہیں، حجّتانِ لیلی و حجّتانِ نہاری چوبیس ۲۴ اور حجّتانِ مقرّب کے ساتھ اٹھائیس ہوتے ہیں۔

کِتابِ مُنیر

قرآنِ حکیم کی سورت ۳۱۔آیت ۲۰ میں ارشاد ہے :
اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں بغیر علم اور بغیر ہدایت اور بغیر کتابِ مُنیر کے جدل کرتا ہے۔

یہاں علم سے مراد دَورِ نبوّت میں حجّت، ہدایت کا مطلب امامؑ اور روشن کتاب کے معنی آنحضرت صلعم ہیں، اور دَورِ امامت میں علم داعی، ہدایت حُجّت اور روشن کتاب امام علیہم السّلام ہیں، جبکہ تاویلی درجات اور حدودِ دین زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق ہیں۔

نیز اِسی طرح جاننا چاہئے کہ دَورِ امامت میں داعی علم الیقین ہے، حجّت عین الیقین اور امام زمان علیہ السّلام حق الیقین، پس ان حدودِ دین کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی معرفت و توحید کے بارے میں مباحثہ و مجادلہ کرنا باعثِ گمراہی ہے۔

داعی، حجّت اور امام زمانؑ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے بارے میں مباحثہ و مجادلہ کرنا باعثِ گمراہی ہے۔

ظُلمات سے نُور تک

سورۂ احزاب یعنی ۳۳ ویں سورت کی آیات ۴۱، ۴۲، ۴۳ اور ۴۴ میں ارشاد کیا گیا ہے کہ : اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تم پر

رحمت بھیجتے ہیں، تاکہ خدا تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آوے، اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے، وہ (مومنین) جس روز اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو ان کی دعا سلامتی ہو گی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بہت بزرگ اجر تیار کر رکھا ہے۔

نور کی حقیقی پہچان ایمانِ کامل کے بغیر ناممکن ہے۔

آیاتِ مذکورۂ بالا کی مجموعی حکمت یہ بتاتی ہے، کہ نور کی حقیقی پہچان اسوقت تک ناممکن ہے، جب تک انسان کا ایمان جیسا کہ چاہئے مکمل نہ ہو، اور کامل ایمان کی نشانی یہ ہے کہ مومن قلبی، زبانی اور عملی طور پر خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہے یہاں تک کہ وہ دائم الذکر ہو جاتا ہے، بصورتیکہ یہ ذکر روحانی مسرتوں سے بھرپور ہوتا ہے، اور وہ صبح و شام زبانِ حال اور زبانِ قال سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے یعنی اس کا ظاہر و باطن اور گفتار و کردار سب پاک ہوتا ہے جبکہ وہ صبح و شام خدا کے حضور میں گریہ و زاری اور عجز و انکساری کرتے ہوئے اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے، پھر نتیجے کے طور پر اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے فرشتے ایسے خاص بندوں پر رحمت فرماتے ہیں جس سے رفتہ رفتہ ان کی ذات سے غفلت، جہالت اور معصیت کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، اور نبیؐ و علیؑ (صلوٰت اللہ علیہما) کا نورِ واحد اپنے علمی و عرفانی عجائبات و معجزات کے ساتھ انکے دل و دماغ میں جلوہ گر ہونے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت صرف حقیقی مومنین ہی کے لئے مخصوص ہے، جس روز کسی حقیقی مومن

کامل ایمان کی نشانی مومن کا دائم الذکر ہو جانا ہے۔

کو خداوند تبارک و تعالیٰ کے اِس نورِ مقدس کا روحانی دیدار حاصل ہوتا ہے، اِس وقت مومن زبانِ حال سے اپنی سلامتی کی دُعا کرتا ہے، کہ وہ ابدی طور پر زندہ اور سلامت رہے جسے اللہ تعالیٰ منظور فرماتا ہے۔ بتوفیقِ الٰہی مذکورۂ بالا آیات کا تاویلی خلاصہ بتایا گیا۔

خداوند تعالیٰ کے نورِ مقدس کا روحانی دیدار

روشن چراغ

سورۂ احزاب کی آیت ۴۵ اور ۴۶ کا فرمانِ الٰہی یہ ہے کہ "اے نبیؐ بے شک ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

اِن دونوں مقدّس آیتوں کی حکمت سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ یہاں حضور اکرم صلعم کی بعض دائمی اور زندہ صفات بیان کی گئی ہیں، جن کی دلیل سے آنحضرتؐ کی دوسری تمام صفات بھی زندہ اور پائندہ ثابت ہو جاتی ہیں، مثلاً جب مانا گیا کہ آنحضورؐ اپنی تمام اُمّت کے اعمال پر گواہ ہیں، جبکہ گواہ کا مطلب کسی معاملے کے سامنے حاضر و موجود ہونا ہے، تو سمجھ لینا چاہئے کہ آنحضرت کی یہ صفت ہمیشہ کے لئے زندہ اور باقی ہے اور لازماً آپ کی دوسری بہت سی صفات بھی اِسی طرح لازوال ہیں۔

آنحضرتؐ اپنی تمام اُمّت کے اعمال پر گواہ ہیں۔

نیز خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے کو بھی بندوں کے اعمال کے سامنے حاضر و موجود رہنا چاہئے، تاکہ

نکوکاروں کو خوشخبری دے اور بدکاروں کو ڈرائے، اسی طرح نبیٔ اکرم صلعم کی ایک اور زندہ صفت یہ بھی ہے کہ آپ اب بھی اسی طرح خدا کے حکم سے زمانے کے مطابق راہِ حق کی طرف دعوت کرتے ہیں جس طرح عہدِ نبوت میں اس وقت کے مطابق دعوت کرتے تھے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضورؐ کی دعوت ہمیشہ سے وحیٔ الٰہی کی تابع ہوا کرتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ صرف یہی نکلتا ہے، کہ پیغمبر صلعم کا مقدّس نور امامِ زمان کی بشریت میں حیّ و حاضر ہے۔

پیغمبر صلعم کا مقدس نور امامِ زمان کی بشریت میں حیّ و حاضر ہے۔

یہی مثال روشن چراغ کی بھی ہے، کہ خدا کے نور کے اس پاک چراغ کو ہرگز نہیں بجھنا چاہئے اور اس کی صفت میں کوئی کمی اور کوئی زوال نہیں آنا چاہئے، چنانچہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ خدا کا نور ایک لازوال حقیقت ہے، پس یہ تمام زندہ اور دائمی صفات آنحضرت کی رحلت کے بعد صرف آپؐ کے نور کی حیثیت میں باقی و برقرار ہیں، اور آپؐ کا یہ مقدّس نور حضرت مولانا علیؑ و آلِ علیؑ کے سلسلۂ امامت میں ہمیشہ کے لئے قائم ہے۔

خدا کا نور ایک لازوال حقیقت ہے۔

سراجِ منیر (روشن چراغ) قرآنِ حکیم میں نورِ نبوّت و امامت کا ایک ایسا پُر حکمت اور جامع اسمِ بزرگ ہے، کہ اسکی حقیقت و معنویت میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسمائے صفات کی قدرت و مظہریت سموئی ہوئی ہے، اس حقیقت کے ثبوت میں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اسی نورِ جامع صفات کے

اعتبار سے، جو انسانِ کامل کے چراغِ ہستی سے طلوع ہو کر عالمِ دین اور دنیائے دل کو منوّر کر رہا ہے، آیۂ نور میں فرماتا ہے کہ:

"خدا آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں چراغ روشن ہو۔" اگرچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بےچون کے اعتبار سے کوئی چیز اس کے مشابہ اور مثل نہیں ہو سکتی ہے، جیساکہ قرآن پاک میں ارشاد کیا گیا ہے کہ:

"کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے ۴۲/۱۱۔"

نورِ الٰہی انسانِ کامل کے چراغِ ہستی سے طلوع ہو کر عالمِ دین کو منوّر کرتا ہے۔

ظُلمتِ جہالت اور نُورِ معرفت

سورۂ فاطر (۳۵) کی ۱۹ تا ۲۲ آیات میں ارشادِ ربّانی ہے کہ: اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں اور نہ تاریکی اور روشنی، اور نہ سایہ اور دھوپ، اور زندے اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔

ان آیاتِ مقدسہ میں ایک طرف صحیح عقیدے کے اور دوسری طرف غلط نظریئے کے نتائج کا تقابلی تذکرہ ہے، اور زبانِ حکمت میں فرمایا گیا ہے کہ غلط نظریّہ کُوردلی اور نادانی کا باعث بن جاتا ہے اور صحیح عقیدہ بصیرت و دانشمندی کا سبب ہوتا ہے، کُوردلی یعنی دل کی نابینائی کا نتیجہ جہالت کی صورت میں نکلتا ہے اور قلبی بصیرت کا ماحصل نورِ معرفت ہے، نورِ معرفت کے نتیجے میں رشد و ہدایت کا سایۂ راحت حاصل ہوتا ہے اور جہالت کی

غلط نظریّہ کُوردلی اور نادانی کا باعث اور صحیح عقیدہ بصیرت و دانشمندی کا سبب ہوتا ہے۔

تاریکی میں آوارہ گردی کے بعد گمراہی کا تپتا بیابان سامنے آتا ہے، نورِ معرفت اور رشد و ہدایت کے سایہ والے روحانی طور پر زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں اور ضلالت کے سوزندہ ریگستان والے نفسانی طور پر ہلاک ہو جاتے ہیں، یہ جو سایۂ رحمت و ہدایتِ الٰہی میں روحانی طور پر زندہ ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں سُن سکتے ہیں اور جو لوگ بیابانِ گمراہی میں ہلاک ہو گئے وہ نیستی و معدومیت کی قبروں میں دفنائے ہوئے ہیں انہیں علم و حکمت کی باتیں سنوائی نہیں جاسکتی ہیں۔

انبیاء کے مُعجزات، کُتُب اور تاویل

مذکورہ سورہ کی پچیسویں آیت میں ارشاد کیا گیا ہے: اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی جُھٹلایا تھا ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزات اور کُتُب اور روشن کتاب کے ساتھ آئے تھے۔

قرآنِ حکیم کی اِس مقدّس تعلیم سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے ساتھ تین قسم کی عظیم الشان چیزیں ہُوا کرتی ہیں، وہ ہیں معجزات، کتابیں اور کتابِ مُنیر، لیکن اس باب میں یہ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے، کہ پیغمبروں کے معجزات اور کتابوں کے علاوہ کتابِ مُنیر (روشن کتاب) کونسی ہے یا کیا چیز ہوتی ہے؟ کیونکہ آیۂ کریمہ کے عربی الفاظ کے لحاظ سے بیّنات کے معنی ہیں معجزات، زُبُر زبور کی جمع ہے جس کا مطلب ہے کتابیں اور کتابِ مُنیر کا ترجمہ ہے

انبیاء علیہم السّلام معجزات، کُتُب اور کتابِ مُنیر کے ساتھ آتے ہیں۔

روشن کتاب۔

چنانچہ سوال تھا کہ روشن کتاب کونسی ہے؟ نیز یہ بھی سوال ہوسکتا ہے، کہ آیا وہ روشن کتاب اب بھی ہے یا نہیں، جبکہ آنحضرتؐ سے قبل کے جملہ پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ سے موجود تھی؟ ان سوالات کا سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ روشن کتاب نورِ امامت کا نام ہے اور وہ پیغمبرِ آخر زمانؐ کے ساتھ بھی تھا اور اب بھی موجود ہے، اور یہی نور تمام پیغمبروں کے آسمانی کتب کی عملی تاویل و حکمتِ بالغہ کی حیثیت سے ہے، کیونکہ نورِ امامت ہی وہ نور ہے جس میں روحانیت کے جملہ اسرار اور تاویلات کے جملہ روشن حقائق و معارف موجود ہیں۔

کتابِ منیر (روشن کتاب) یہ نورِ امامت

نورِ امامت ہی میں جملہ اسرارِ روحانیت موجود ہیں۔

شرحِ صدر

سورۂ زمر کی بائیسویں آیت کا ارشاد ہے کہ: پس جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ شخص اور اہلِ قساوت برابر ہیں) پس جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے تو ان کے لئے بڑی خرابی ہے یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

یہ پاک آیت سب سے پہلے انسانِ کامل یعنی پیغمبرِ آخرِ زمان اور امام برحق علیہما السّلام کی شان میں ہے، ان کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے حدودِ دین کے بارے میں بھی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ وسعت قلبی، اسلام یعنی اطاعت اور خدا کا

نورِ انسانِ کامل کے وسیلہ اور توسط سے حدودِ دین کو بھی علیٰ قدرِ مراتب حاصل ہوتا ہے، اور انسانِ کامل کی ذاتِ اقدس میں یہ صفات اور دوسری تمام خوبیاں ہمیشہ کے لئے بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں۔

اِس آیۂ مقدسہ کی حکیمانہ تعلیم شرحِ صدر یعنی وسعتِ قلبی کے ذکر سے شروع ہوجاتی ہے، اور فرمایا جاتا ہے، کہ اسلام کو کماحقہٗ قبول نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو وسعتِ قلبی عطا نہ فرمائے، نیز لفظِ اسلام کے دوسرے معنوی پہلو کے اعتبار سے ارشاد ہے، کہ اگر خدا کی طرف سے کسی کو کشادہ دلی عنایت نہ ہوئی تو اس شخص سے اطاعت و فرمانبرداری نہیں ہوسکتی، کیونکہ اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں، پھر اس کے بعد فرمان ہے کہ جب خدا نے کسی آدمی کے دل کو کھول دیا تو وہی حقیقی اسلام یا کہ فرمانبرداری بجالاسکتا ہے، جب اُس نے ہادیٔ برحقؑ کی فرمانبرداری کرلی، تو اس کے دل و دماغ میں بتدریج خدا کا نور جلوہ گر ہونے لگتا ہے، اور ذکرِ الٰہی خود بخود جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے قلب میں رقّت و نرمی پیدا ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی معجزانہ صوتی ہدایات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

جسے خدا کی طرف سے کشادہ دلی عنایت نہ ہوئی تو اُس سے اطاعت و فرمانبرداری نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ کی معجزانہ صوتی ہدایات

اس صورتِ حال کے برعکس، جس میں حقائق و معارف کے زندہ معجزات موجود ہیں، جن لوگوں کے دل تنگ و تاریک ہوں، وہ حقیقی اسلام قبول نہیں کرسکتے، جس کے سبب سے

ان کے دل خدا کے نور کے قابل نہیں ہو سکتے، نہ ہی وہ خُدا کے ذکر کو جاری رکھ سکتے ہیں، پھر وہ قساوتِ قلبی کے رُوحانی مرض میں مبتلا ہو کر گمراہی اور ضلالت کے بیابان میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

قساوتِ قلبی کا نتیجہ گمراہی اور ضلالت ہے۔

زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائیگی

سورۂ متذکرۂ بالا میں پروردگارِ عالم کے نورِ مقدس یعنی نورِ امامت کے مختلف ظہورات کے بارے میں بطور پیش گوئی ارشاد ہُوا ہے: اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائیگی اور اعمال نامہ رکھ دیا جائے گا اور پیغمبروں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور ان (یعنی لوگوں) کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا ۳۹/۶۹۔

نورِ امامت کے مختلف ظہورات

اِس آیۂ مقدسہ میں نزولِ قرآن کے دوران نورِ امامت اور روحانی واقعات کے بارے میں جو پیش گوئی کی گئی ہے، اس کا تعلق چار حالات سے ہے، انفرادی روحانیت، اجتماعی روحانیت یا کہ روحانی دَور، انفرادی قیامت اور اجتماعی قیامت۔

حقیقی مومن کی انفرادی روحانیت میں نورِ امامت سے جو فیضان حاصل ہوتا ہے، اس کے متعلق اِس آیۂ کریمہ کی پیشگوئی اِس طرح سے ہے کہ پیغمبرؐ کی تنزیلی ہدایات اور امامِ وقتؑ کی تاویلی ہدایات پر عمل کرنے کے نتیجے میں ہر حقیقی مومن کے دل کی زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی، اس کی رُوحانیت

حقیقی مومن کی انفرادی روحانیت میں نورِ امامت کا فیضان۔

ایک زندہ کتاب کی حیثیت سے معجزانہ گفتگو کرے گی، پیغمبروں کی مقدس روحیں اپنے معجزات اور جملہ واقعات کے ساتھ اس کے روحانی مشاہدے میں آئیں گی، نیز گواہوں یعنی ائمۂ اطہار کے پاک انوار کے روحانی ظہورات ہوں گے اور اس مومن کے حق میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

اجتماعی روحانیت میں نورِ امامت کا اثر

اجتماعی روحانیت میں نورِ امامت اس طرح اثر انداز ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نور جس ظاہری و باطنی ہدایت کی کیفیت میں پیغمبر صلعم کے بعد سلسلۂ امامت میں سے طلوع ہوتا رہا ہے اور جس انداز سے علم و حکمت کی مسلسل روشنی اس جہان والوں کو بخش رہا ہے اس کے نتیجے کے طور پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے، کہ اس میں دنیائے انسانیت علم و ہنر، عقل و دانش اور شرافت و یگانگت کے اوجِ کمال پر پہنچ جائے گی، اور ہر قسم کی بُرائیاں نیست و نابود ہو جائیں گی، اسی وقت حق کو باطل پر فتح حاصل ہوگی اور حق و حقیقت کا دَور دورہ ہوگا، غلط عقائد اور نظریات سب کے سب ختم ہو جائیں گے، اور جو سچا عقیدہ اور صحیح نظریہ ہے صرف وہی قائم رہے گا اور اسی کو فروغ حاصل ہوگا۔

انسانیت انبیاء و اولیاء کے انوار کے فیوضات کے لئے ہر وقت محتاج ہے۔

یہ ہُوا زمین کا اپنے رب کے نور سے روشن ہو جانا، کہ زمین کا مطلب یہاں انسانیت ہے، جو انبیاءؑ و ائمہؑ کے انوار کے فیوضات کے لئے ہر وقت محتاج ہے، اور یہ ہُوا مختلف عقائد و نظریات کے اعمال ناموں کو سامنے رکھ کر قانونِ الٰہی

کا فیصلہ کر دینا، پیغمبروں اور اماموں کا حاضر ہو جانا، کیونکہ انبیاءً وائمہ علیہم السّلام کا یہی ایک دین تھا، جس کی طرف ان تمام حضرات نے ظاہراً و باطناً لوگوں کو دعوت کی تھی، پس ایسا زمانہ انبیاءؑ، ائمۂ ھُداؑ اور ہر زمانہ کے مومنین کی فتحمندی اور کامیابی کا دن ہے، جس کی پیش گوئی قرآن حکیم میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔

قیامت انسان کی زندگی میں آتی ہے۔

انفرادی اور اجتماعی روحانیت کی مذکورہ دونوں حالتوں کو قیامت کے نام سے بھی ہم مان سکتے ہیں، ایسی قیامت انسان کی زندگی میں آتی ہے۔

جُزوی قیامت اور کُلّی قیامت

اب رہا سوال نورِ امامت اور اُس قیامت کے تعلق کا، جو انسان کی جسمانی موت کے بعد واقع ہونے والی ہے، جو انفرادی حالت میں بھی ہے اور اجتماعی صورت میں بھی، جس کی مثالیں مذکورۂ بالا تفصیلات سے مل سکتی ہیں، مگر اس میں یہ بات ضرور یاد رہے، کہ جسمانی زندگی میں جو بھی روحانیت یا قیامت پیش آتی ہے، وہ جُزوی قسم کی ہے، اور مرنے کے بعد جو قیامت واقع ہوگی، وہ کُلّی۔ غرض یہ کہ امامِ اطہر کا نور ہی ہے جس کی روشنی کے لئے دنیا و آخرت والے ہمیشہ محتاج ہیں۔

نور کے عظیم اسرار

اللہ تعالیٰ کے نورِ مقدس کا جلوۂ دیدار

سورۂ شوریٰ کے آخری رکوع کی زبانِ حکمت کا ایک پُرمعجزہ اور جامع مطلب یہ ہے، کہ پاکیزہ بشریت کے اعلیٰ ترین مقام پر اللہ تعالیٰ کے مقدّس نور کا جلوۂ دیدار کچھ لمحات

کے لئے حاصل ہوتا ہے، مگر اس اعلیٰ ترین دیدار کے ساتھ ساتھ کلامِ الٰہی میسر نہیں ہوتا، ہاں ایک حکمت آگین اشارہ ہوسکتا ہے، کلامِ الٰہی تو اس دیدار سے نچلے درجے میں حجاب کے پیچھے سے ہوتا ہے، اور اس ربّانی کلام سے نچلے درجے میں فرشتے کے توسط سے وحی ہوتی ہے۔

حجاب کے پیچھے سے کلامِ الٰہی

اس کے معنی یہ ہوئے کہ روحانیت کا جتنا لمبا سلسلہ ہے، وہ تین درجات پر مشتمل ہے، چنانچہ سب سے نچلے درجے میں جبرائیل علیہ السلام وحی لاتا ہے، اس کے اوپر کے درجے میں نورِ الٰہی خود ہی حجاب کے پیچھے سے کلام فرماتا ہے اور سب سے اوپر کے درجے میں یہ نور رحمانی صورت میں چند سیکنڈوں کے لئے اپنا جلوہ دکھاتا ہے، مگر اس انتہائی دیدار کے موقع پر کلام نہیں ہوتا، ہاں ایک جامع قسم کا اشارہ ہوتا ہے۔

روحانیّت کے تین درجات

پس اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر سے ایک عظیم روح آنحضرتؐ پر وحی فرمائی تھی، اور رسولِ اکرمؐ کائنات اس واقعہ سے قبل آسمانی کتاب اور ایمان کے انتہائی درجات سے واقف نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرمؐ کی اس روحانیت کو، جو وحی بھی تھی اور روح بھی، نور بنایا، جس کی روشنی میں پیغمبرِ خداؐ سب کچھ جاننے لگے، اور اسی نور کی روشنی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر سے ایک عظیم روح آنحضرتؐ پر وحی فرمائی تھی۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہُوا کہ نورِ امامت " اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ رُوۡحًا "، کے معنی میں نہ صرف وحی اور قرآنِ ناطق

نورِ امامت ایک عظیم روح بھی ہے اور قرآنِ صامت کے اسرارِ مخفی کے لئے روشنی بھی۔

کی حیثیت سے ہے، بلکہ یہ ایک عظیم روح بھی ہے، اور جہاں "جَعَلْنٰهُ نُوْرًا" کا ارشاد آیا ہے، وہاں نورِ امامت آسمانی کتاب یعنی قرآنِ صامت کے اسرارِ مخفی کے لئے روشنی بھی ہے، اور جو ارشاد ہوا ہے کہ: "نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا" اس کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ نور وہی ہے، کہ جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور اکرمؐ سے قبل کے تمام انبیاءؑ کو بھی وحی کر کے رہنمائی کی تھی "وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسُولِ خداؐ کو یہ نور حاصل ہُوا تو آپ نے اپنے وقت میں اسی نور کے ذریعے سے راہِ راست کی ہدایت کی، اور مستقبل کی ہدایت کے لئے حضورؐ نے بحکمِ خدا امامؑ کو مقرر فرمایا پھر نور امام میں منتقل ہو گیا۔ الحمدُ لِلّٰہِ یہ حقائقؔ و معارف قرآنی حکمت کی زبان سے اور روحانی مشاہدات و تجرباتِ کی روشنی میں بتائے گئے۔

نُورانی معجزات

سورۂ حدید کی نویں آیت میں نور کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنے بندے پر واضح نشانیاں اتارتا ہے تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکال دے اور بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیق مہربان ہے۔

یہاں عقل و دانش سے خوب سوچنے کا مقام ہے، کہ

جن تاریکیوں میں سے ایک مسلمان یا ایک مومن ہادیٔ برحقؑ کے بغیر بذاتِ خود نکل نہیں سکتا، وہ کس نوعیت کی تاریکیاں ہیں؟ کیا یہ بات درست ہو سکتی ہے، جو ہم کہیں کہ یہ وہی تاریکیاں ہیں جو جہالت و نادانی اور زمان و مکان کے پیدا کردہ مسائل کی الجھنوں سے انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ واقعاً ان تاریکیوں کا مطلب یہی ہے، پھر لازماً ہم کو یہ بھی ماننا ہی پڑے گا، کہ جہالت و نادانی اور مسائلِ نو کی تاریکیوں سے نکل جانے کا ذریعہ صرف ایک ایسی تازہ ترین ہدایت ہی ہو سکتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہو، اور ایسی ربّانی ہدایت آنحضرت صلعم کے بعد صرف امامِ وقتؑ ہی کے وسیلے سے حاصل ہو سکتی ہے، پس یہی حکمت آیۂ مذکورہ بالا میں پوشیدہ ہے۔

جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نجات صرف امامِ وقت کے وسیلے سے حاصل ہونے والی ربّانی ہدایت سے مل سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم کے ان مبارک الفاظ کی روشنی میں جو ارشاد ہوئے ہیں کہ: وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف خدا کا ایک خاص بندہ (انسانِ کامل) ہی ہر زمانے میں موجود ہوتا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ خدا کا یہ فعل بھی ہمیشہ کے لئے جاری رہتا ہے، کہ وہ اپنے بندۂ خاص پر بدلے ہوئے حالات کی ہدایت نازل کرتا ہے، اور خدا تعالیٰ کے حقیقی عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نور کا سرچشمۂ ہدایت ظاہر و باطن میں ہمیشہ کیلئے جاری و ساری رہے، چنانچہ سرورِ کائنات صلعم پر عہدِ نبوّت کے دوران قرآن پاک کی ظاہری نشانیاں (آیات) نازل

خدا انسانِ کامل پر بدلے ہوئے حالات کی ہدایت نازل کرتا ہے۔

ہوتی رہی ہیں، جن کو تنزیلی نشانیاں اور ظاہری ہدایت کہتے ہیں، اور ہر زمانے کے امامِ برحق پر قرآن حکیم کی باطنی نشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں، جن کو تاویلی نشانیاں اور باطنی ہدایت کہتے ہیں، تاکہ قیامت کے دن کسی زمانے کے لوگوں کو یہ عذر و بہانہ نہ ہو سکے کہ ان کے زمانے میں اللہ کی ہدایت کا کوئی آسان ترین ذریعہ موجود نہیں تھا۔

> ہر زمانے کے امام برحق پر قرآنِ حکیم کی باطنی نشانیاں نازل ہوتی رہتی ہیں۔

اگر آپ ذاتی طور پر بھی اِس حقیقت کی مزید تحقیق کر کے مطمئن ہو جانا چاہتے ہیں، کہ کس طرح آسمانی کتاب کے مکمل نزول کے بعد زمانۂ دراز تک اس کی تدریجی تاویل نازل ہوتی رہتی ہے، اور کس طرح اس تاویل کے مکمل طور پر آنے کے ساتھ ساتھ قیامت برپا ہو جاتی ہے، تو اس کے لئے قرآنِ حکیم کی اِن تمام آیات کے معنی میں غور کریں، جو تاویل سے متعلق ہیں، خصوصاً ۱۰/۳۹، ۱۲/۶، ۱۲/۲۱، ۱۲/۱۰۰، ۱۲/۱۰۱ میں، اور سب سے بڑھ کر ۷/۵۳ میں آپ غور کریں، پھر آپ کو یقیناً اس حقیقت کے متعلق اطمینانِ قلب حاصل ہوگا، کہ نہ صرف آسمانی کتاب کی نازل شدہ آیات کی تاویل بتدریج نازل ہوتی رہتی ہے، بلکہ دوسری بہت سی چیزیں بھی ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی تاویل عرصۂ دراز کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے۔

> آسمانی کتاب کی تاویل زمانۂ دراز تک بتدریج نازل ہوتی رہتی ہے۔

> تاویل کے مکمل طور پر آنے کے ساتھ قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

پس جاننا چاہئے کہ امامِ زمان علیہ الصّلوٰت والسّلام کی پاک ہدایات سے جب حقیقی مومن کے دل سے جہالت و نادانی کی تاریکی دور ہو جاتی ہے، تو اس وقت امامِ عالی مقام کے نور کے علمی و عرفانی معجزات اِس کے دل و دماغ میں ظہور پذیر ہوتے

> حقیقی مومن کے دل و دماغ میں امامِ عالی مقام کے نور کے علمی و عرفانی معجزات کا ظہور

رہتے ہیں، اور وہ ہمیشہ اپنے باطن میں ایک عجیب و غریب علمی دنیا کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، یہ ہُوا اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندے پر واضح نشانیاں نازل کرنا اور انسانِ کامل کا مومنین کو تاریکیوں سے نکال کر نورِ معرفت کی طرف لے آنا۔

انسانِ کامل کا مومنین کو تاریکیوں سے نکال کر نورِ معرفت کی طرف لے آنا۔

مومنین، مومنات اور نور

سورۂ حدید کی بارہویں آیت میں انفرادی روحانیت اور دَورِ قیامت کے اہلِ ایمان اور نورِ امامت کے بارے میں ارشاد ہے کہ: جس دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے، کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف سعی کرتا ہوگا، آج تم کو بشارت ہے ایسے باغوں کی جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، ان میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو یہی بڑی کامیابی ہے۔

آیۂ مقدسۂ بالا کا حکمت آگین اشارہ یہ ہے کہ ہر زمانے کی انفرادی روحانیت میں بھی اور دورِ قیامت میں بھی امامِ حیّ و حاضر ع کا پاک نور مومنین و مومنات کے ساتھ ان کی پیشانی یا داہنی طرف سے کلام کرتا رہے گا، اور " یَسْعٰی " کے یہ معنی ہیں کہ اسوقت اہلِ ایمان کی روحانیت کی بے شمار منزلیں اس نور کی روشنی و رہنمائی میں بڑی تیزی کے ساتھ طے ہو جائیں گی، نیز اِس لفظ کے یہ معنی بھی ہیں، کہ یہ نورِ حقیقی مومنین کے دین و دنیا سے متعلق ہر قسم کی بہتری اور بھلائی کے لئے سعی کرے گا۔

نورِ اقدسِ امامِ زمان کا مومنین و مومنات کے ساتھ ان کی پیشانی یا داہنی طرف سے کلام کرنا۔

یہاں البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ مختلف اعتبارات سے

نورِ مطلق کی نسبتیں

نورِ مطلق کی مختلف اضافتیں اور جدا جدا نسبتیں ہُوا کرتی ہیں، یعنی قرآن حکیم میں کبھی اس پاک نور کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ "نور اللہ کا ہے"، کبھی روشن چراغ وغیرہ جیسے الفاظ کے مفہومات کا اشارہ ہوتا ہے کہ "نور پیغمبرؐ کا ہے"، بعض آیات اپنی زبانِ حکمت سے بتاتی ہیں کہ "نور امام کا ہے"، اور یہاں آیۂ مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ "نور مومنین و مومنات کا ہے"، پس حقیقی مومنین کو نورِ مقدس کے اس قانونِ وحدانیت اور نظامِ جامعیّت پر خوب غور و فکر کرنا چاہئے، کہ نورِ واحد کی اس کثرت نمائی میں کیا راز ہے؟

نور جُدا جُدا اضافتوں کے باوجود ایک ہی ہے۔

بہر حال جاننا چاہئے، کہ نور کی یہ مختلف نسبتیں اپنی اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور درست ہیں اور ان میں ذرّہ بھر بھی شک نہیں، نیز جاننا چاہئے، کہ ان جدا جدا اضافتوں کے باوجود نور ایک ہی ہے، اور اس میں کوئی دوئی نہیں، پس اس کے معنی، حقیقت اور صفاتِ کمالیہ بھی وہی ہیں جو "اللہ نور السمٰوٰت والارض" کے مقام پر ہیں۔

منافقین، منافقات اور نور

مذکورہ سورہ کی تیرھویں آیت میں منافقین، منافقات اور نورِ امامت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: جس روز منافقین اور منافقات مومنین سے کہیں گے کہ ہمارا انتظار کر لو کہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں ان کو جواب

دیا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر وہاں سے روشنی تلاش کرو۔

جاننا چاہئے کہ منافق لوگ نہ صرف دورِ قیامت (روحانی دور) میں اہلِ ایمان کی تیز رفتار روحانی ترقی پر رشک کریں گے، بلکہ ہر زمانے میں نورِ امامت کی شاندار رہنمائی اور مومنین کی ترقی اور کامیابی دیکھ کر منافقین کی روحیں زبانِ حال سے فریاد کرتی ہیں، کہ خدا کے لئے ذرا ٹھہر و تاکہ ہم بھی تمہارے امامؑ کے نور کی ہدایت میں ظاہری و باطنی کامیابی کی منزلیں طے کریں، مگر ان کو زبانِ حال سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ تم تواریخ اور عقائد کے راستے میں از سرِ نو تحقیق کرتے ہوئے اپنے پیچھے چلو، اور تم نے جس دور راہے پر آکر نور کا پاک دامن چھوڑا تھا، اس کے متعلق سوچو اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنے تمام عقائد کی اصلاح کرو پھر ممکن ہے کہ نور ملے۔

منافقین کی روحوں کی زبانِ حال سے فریاد

نُور حاصل ہونیکا درجہ

سورۂ حدید کی اُنیسویں آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا مبارک فرمان یہ ہے کہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لا چکے ہیں (جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے) ایسے ہی لوگ اپنے ربّ کے نزدیک صدّیق اور شہید ہیں ان کیلئے ان کا اجر اور ان کا نور ہے۔

اِس آیۂ کریمہ کے باطن میں بہت سی عظیم حکمتیں پنہاں

ہیں، منجملہ ایک حکمتِ بالغہ یہ بھی ہے، جو اِس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کہ شروع سے آخر تک ایمان کے بہت سے درجات ہیں، صداقت ایک ایسی صفت ہے جو ایمان کامل ہونے سے حاصل ہوتی ہے، اور صداقت کے بھی کثیر مراتب ہیں، جب صداقت درجۂ کمال پر پہنچے، تو اس وقت مردِ مومن میں جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا ہوتا ہے، اور شہادت کے بھی کئی رُتبے ہیں، پھر اس کے بعد اجر وصلہ کے مراحل آتے ہیں اور اجر کی بھی بہت سی قسمیں ہیں، اور ان تمام خوبیوں کے نتیجے کی صورت میں نور کا دروازہ کھل کر رہتا ہے۔

صداقت، ایمان کامل ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حقیقی مومن کی روحانیت کا سب سے اونچا درجہ وہ ہے جہاں اس کو امامِ برحق ع کے مبارک ومقدس نور کا معجزاتی دیدار اور روح افزا مشاہدہ ہو سکتا ہے، یہ وہ مقامِ وحدت ہے، جہاں پر حقیقی مومنین کی روحیں امامِ اقدس ع کے نور کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہیں، یہی سبب ہے، جو ارشاد ہوا ہے، کہ حقیقی مومنین، جنہوں نے خدا اور اس کے رسولوں پر جیسا کہ چاہیئے ایمان لایا ہے، اپنے پروردگار کے نزدیک صدّیق اور شہید جیسے ہیں، یعنی ایسے مومنین اساسوں اور اماموں کے نور سے واصل ہو چکے ہیں، کیونکہ تاویلی زبان میں صدیقین اساسوں کو کہتے ہیں اور شہداء اماموں کا نام ہے، اسی معنی میں کہ چھ ناطق پیغمبروں میں سے ہر ناطق پیغمبر کا ایک اساس ہوا ہے، چنانچہ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کے اساس حضرت مولانا امام علیؑ تھے،

روحانیت کا سب سے اونچا درجہ امامِ برحق کے مبارک ومقدس نور کے معجزاتی دیدار کا ہے۔

صدّیق = اساس
شہید = اِمام

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

جنہوں نے نہ صرف شخصی اور ذاتی طور پر قرآن و شریعت کی تاویل کر کے حضورِ اکرمؐ کی نبوّت و رسالت کی تصدیق کی، بلکہ اپنی پاک اولاد کے سلسلۂ امامت کے توسّط سے بھی تاویلات کا یہ دروازہ ہر بار کھول دیا، جس سے ہمیشہ کے لئے آنحضرتؐ کی مرتبۂ پیغمبری کی تصدیق ہوتی رہی، اور اسی تاویلی تصدیق کی ضرورت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ناطق پیغمبر کے ساتھ ایک صدّیق مقرر ہوا تھا اور صدّیق کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں، اور شہداءُ اماموں کا نام اِس معنی میں ہے، کہ شہداء گواہوں کو کہتے ہیں، جس سے ائمۂ اطہار مراد ہیں، کیونکہ یہی حضرات دنیا والوں کے اعمال پر گواہ ہیں، چونکہ وہ سلسلہ وار دنیا اور زمانہ میں حیّ و حاضر ہوتے ہیں۔

رسُولِ اکرمؐ کی نبوّت و رسالت کی تصدیق

شہداء = ائمۂ اطہار دنیا والوں کے اعمال پر گواہ ہیں۔

نورِ سرچشمۂ ہدایت ہے

خدا کے مقرّر کردہ نور کی موجودگی اور رہنمائی کے بغیر کوئی بھی نظریّہ اور مذہب طُولِ زمانہ کی پُرخطر تاریکیوں سے سلامتی کے ساتھ گزر کر حوضِ کوثر پر وارد نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی دین کا ابتدائی وجود ایک مجسّم نور کو ماننے بغیر ثابت ہو سکتا ہے، اسی حقیقت کے باب میں سورۂ حدید کی اٹھائیسویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ: اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (محمّد) پر ایمان لاؤ (تاکہ خدا) تم کو اپنی رحمت سے دو حصّے عطا فرمائے گا اور تم کو ایسا نور مقرر کر دے گا کہ تم اس کے ذریعہ چل سکو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

کسی بھی دین کا ابتدائی وجود ایک مجسّم نور کو مانے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

اِس متبرک آیت کی تفسیر یہ ہے کہ: اے ایمان والو! جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے ہو، اب خدا سے ڈرو، یعنی نیّات، اقوال اور اعمال میں تقویٰ کو ملحوظِ نظر رکھو اور خدا کے رسول حضرت محمد صلعم پر مکمل طور سے ایمان لاؤ، یعنی حقیقی مومنین بنو، تاکہ اللہ تعالیٰ بذریعۂ رسولِ مقبولؐ تم کو اپنی رحمتِ بیکران سے دو حصّے عطا کرے گا، یعنی ظاہری ہدایت اور باطنی ہدایت کا وسیلہ پیدا کرے گا، اور تم کو ایسا نور یعنی امام مقرّر کر دیگا، کہ اس کا سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، تاکہ تم دینی اور دنیاوی طور پر زمانے کے ساتھ ساتھ منزل بمنزل آگے بڑھ سکو گے، یہاں تک کہ تم سلامتی کے ساتھ حوضِ کوثر پہ وارد ہو جاؤ گے۔

پیغمبرؐ اور امامؑ کا نور خدا کا نُور ہے

اِس کتابچہ کے موضوعات کے سلسلے میں یہاں تک آیاتِ نور سے جو کچھ حقائق و معارف بیان کئے گئے، اُن سے آپ پر یہ حقیقت واضح اور روشن ہوئی ہوگی، کہ خدا کے مقدّس نور کا مظہر انسانی ہدایت کے لئے بلباسِ بشریت ہمیشہ اِس دنیا میں حاضر اور موجود ہے، جس کی حاضری و موجودگی کے بغیر عالمِ ادیان کی ہستی و بقاء قطعاً ناممکن ہے، اِس حقیقت کی ایک محکم اور روشن دلیل یہ ہے، کہ مادی نور یعنی سورج کے وجود کے بغیر اِس مادی کائنات کا وجود اور نظام لمحہ بھر کے لئے بھی قائم نہیں

نورِ الٰہی کا مظہر انسانی ہدایت کے لئے بلباسِ بشریت ہمیشہ اس دُنیا میں حاضر و موجود ہے۔

رہ سکتا، کیونکہ یہ ساری کائنات اور اس کے اندر جو کچھ موجود ہے وہ سب سورج کی بے پناہ تکوینی قوتوں سے پیدا ہوا ہے، اور یہ سارا مادّی نظام سورج ہی کی ہمہ گیر طاقتوں پر قائم ہے، یہ سب کچھ مظہرِ نورِ خدا کی مثال ہے، جو کبھی پیغمبر کی حیثیت سے اور کبھی امام کی صورت میں ہوتا ہے، جس کے ازلی وجودِ مبارک سے بتدریج عالمِ ادیان پیدا ہوا، اور اسی مظہر کی ذاتِ شریف کی طرف سے تمام ادیان کو علیٰ قدرِ مراتب ہدایت حاصل ہوتی رہتی ہے، پس اگر بفرضِ محال عالمِ دین میں یہ مظہر نہ ہو، تو سارے ادیان نیست و نابود ہو جائیں گے، اسی معنی میں ارشاد ہوا ہے کہ: وَكُلَّ شَىْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِىٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔

مظہرِ نورِ خدا کے ازلی وجودِ مبارک سے بتدریج عالمِ ادیان پیدا ہوا۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام کی نورانی ہستی کی بدولت ہر چیز محفوظ ہے، کیونکہ اس کی مقدّس ہستی لوحِ محفوظ کی حیثیت سے ہے، کہ ہر چیز کو امام کے نور نے گھیر رکھا ہے۔

امام کی نورانی ہستی کی بدولت ہر چیز محفوظ ہے۔

چنانچہ نورِ امامت کی اسی دائمیّت اور اس کو بجھانے کے لئے کافروں کی ناکام خواہش و کوشش کے باب میں سورۂ صف کی آٹھویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ: وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا ہر چند کہ کافر لوگ ناخوش ہوں۔

جاننا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نور کا مظہر عالمِ ظاہر میں نہ ہوتا اور عالمِ باطن میں ہوتا، تو اُس صورت میں کافر لوگ خدا کے

نور کو بجھانے کا ارادہ ہی نہ کرتے، کیونکہ کافروں کا ارادہ صرف اِس دُنیا کی ظاہری چیزوں تک محدود ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی خواہش کی تردید کرتے ہوئے یہ نہ فرماتا، کہ میں اپنے نور کو درجۂ کمال تک پہنچا کر ہی رہوں گا، پس معلوم ہوا کہ خدا کا یہ نور اِس دنیا میں ظاہر ہے۔

خُدا، رسُول اور نورِ امامت

سورۂ تغابُن کی آٹھویں آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: پس تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اُس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے ۶۴/۸۔

اِس آیۂ کریمہ سے جو حقیقت صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے، اُس سے کوئی بھی دانشمند انکار نہ کر سکے گا، کہ اِس میں تین مقدّس ہستیوں کا جدا جدا ذکر کیا گیا ہے، اور ترتیب سے اِن تینوں ذواتِ مقدّسہ پر مکمّل ایمان لانے کے لئے فرمان ہُوا ہے۔

تین ذواتِ مقدّسہ پر ایمانِ کامل

چنانچہ سب سے پہلے امر ہوا، کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، اس حکم کے تحت وہ تمام نیک باتیں آگئیں، جو خدا پر ایمان لانے سے متعلق ہیں، مثلاً حق تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرنا، اِسکے اسماء و صفات پر ایمان لانا، اِس کے فرشتوں، کتابوں اور ان پیغمبروں پر ایمان لانا، جو آنحضرتؐ سے قبل دنیا میں

بھیجے گئے تھے۔

پھر ارشاد ہے کہ اس کے رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر ایمان لاؤ، اس حکم میں مسلمانی کی تمام بنیادی باتیں آگئیں، جیسے آنحضرتؐ کی نبوّت ورسالت پر ایمان لانا، قرآنِ پاک کو برحق ماننا، اسلام اور آنحضرتؐ کی تمام تعلیمات کو قبول کرنا وغیرہ۔

اِس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ تم اُس نور پر ایمان لاؤ، جو ہم نے نازل کیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ پاک نورِ امامت ہی کا ہے، جو ازل سے موجود ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ناطق کے آسمانِ نورانیت سے اساس کی زمینِ شخصیت پر نازل کر دیا، بالفاظِ دیگر یہ نور آنحضرتؐ کی ذاتِ والاصفات سے حضرت مولانا علیؑ کی مقدّس ہستی میں منتقل ہو گیا، اور اولادِ علیؑ کے سلسلۂ امامت میں تاقیامت قائم ہے، اور اِس مُبارک نور پر ایمان لانا یہ ہے، کہ مذکورہ سلسلے کے ائمۂ طاہرین کو "مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ" مان لیا جائے، یعنی یقین ہو کہ یہ امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئے ہیں، اور ان کی ظاہری و باطنی ہدایات پر عمل کیا جائے، اور نور کے اشارے سے یہ سمجھنا مقصود ہے، کہ انسانیت اور مذہب کے دور و دراز راستے میں طرح طرح کی تاریکیاں اور گوناگون ظلمتیں آنے والی ہیں، جن کے لئے نورِ امامت کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

نورِ امامت کو اللہ تعالیٰ نے ناطق کے آسمانِ نورانیت سے اساس کی زمینِ شخصیت پر نازل کیا۔

جاننا چاہئے، کہ اِس آیۂ مقدسہ کا مقصد و منشا بھی ایسا

ہی ہے جیسا کہ آیۂ اطاعت کا، جو فرمایا گیا ہے کہ: اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کا کہا مانو اور رسُول کا کہا مانو اور صاحبانِ امر کا بھی جو تم میں سے ہیں $\frac{4}{59}$۔

امامِ برحقؑ کو اَمر اور نوُر دونوں کا مرتبۂ عالیہ حاصل ہے۔

پس معلوم ہُوا کہ امامِ برحقؑ کو امر اور نور دونوں کا مرتبۂ عالیہ حاصل ہے، یعنی جس طرح خدا اور رسولؐ نے امامِ عالی مقامؑ کو صاحبِ امر مقرر فرمایا، اِسی طرح نور بھی اِسی کے سپرد کر دیا گیا، کیونکہ نور کے بغیر خدا کی مرضی و خوشنودی کے مطابق امر و فرمان نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی امر و ہدایت سے بڑھ کر نور کا کوئی اور مقصد ہوتا ہے۔

نور کا مقصد امر و ہدایت ہے۔

نور ایک زندہ ذکر

جاننا چاہئے کہ معجزہ ہمیشہ انتہائی عجیب و غریب ہی ہوتا ہے، اگر وہ ایسا نہ ہوتا، تو معجزہ ہی نہیں کہلاتا، چنانچہ بعض حقیقی مومنین کو اپنی ذات کی معرفت کے ایک اعلیٰ درجے پر اِس حقیقت کا علم ہوتا ہے، کہ نورِ امامت نہ صرف اپنی ذاتِ اقدس ہی میں ایک نہایت ہی درخشندہ اور تابناک جہان ہے، بلکہ یہ ہر عارف کے باطن میں بھی ایک ایسا نورانی عالم بن کر مشاہدے میں آتا ہے، جس کی عقل و روح تو کلّی، کائناتی اور ہمہ گیر و ہمہ رس درجے کی ہے ہی، مگر حیرت اس بات کی ہے، کہ اِس عالمِ نور کی ہر چیز گویا ایک فرشتہ ہے، کہ اس میں ایک پاکیزہ روح بھی ہے اور ایک کامل عقل بھی۔

نورِ امامت ہر عارف کے باطن میں ایک نورانی عالم بن کر مشاہدے میں آتا ہے۔

بنا بریں جاننا چاہیئے، کہ نور کی لاتعداد صفات میں سے ہر صفت ایک عظیم زندہ فرشتے کی حیثیت سے ہے، چنانچہ اِسی سِلسِلے میں نور کی ایک زندہ صفت "ذکر" بھی ہے، جس کے کئی معانی ہیں۔

نور کی ایک زندہ صفت "ذکر" بھی ہے۔

اب ذکر جو نور کی صفت ہے، اس کے معانی یہ ہیں:
① ذکر = یادِ الٰہی جس کی بہت سی قسمیں ② ذکر = قوّتِ ذاکرہ ③ ذکر = قرآنِ حکیم ④ ذکر = نصیحت ⑤ ذکر = پیغمبر اور امام کا لقب۔

سوال: نور اگر ذکر ہے اور ذکر کے معنی یادِ الٰہی کے ہیں، تو بتاؤ کہ نور میں یادِ الٰہی کس طرح سے ہے؟ جواب: حقیقی مومنین کو یقین ہو، کہ نور کا سورج آسمانِ امامت میں بھی اور بحالتِ عکس عارف کے آئینۂ دل میں بھی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے معجزانہ ذکر کا حامل ہوتا ہے، یعنی یہ نور کے معجزات میں سے ہے، کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے عظام میں سے کوئی ایک اسم خود بخود ایک قدرتی آواز بن کر دائمی اور مسلسل ذکر کی صورت اختیار کرتا ہے، جس کی ایک ظاہری مثال ایسی ہے، جیسے کوئی خلانورد انسان اپنے راکٹ کے ذریعے جب سیّارۂ زمین کے دائرۂ کشش سے باہر نکلتا ہے، تو اس وقت وہ راکٹ کو اڑائے یا نہ اڑائے، بہر حال وہاں کی لاوزنی کیفیت اس کو اور اس کے راکٹ کو اڑائے ہوئے گھماتی رہتی ہے، پس یہی حال اس عارف کا بھی ہے، جس کا ذکر خواہشاتِ نفسانیت کے دائرۂ کشش سے نکل کر نورِ

خورشیدِ نور آسمانِ امامت میں بھی اور بحالتِ عکس عارف کے آئینۂ دل میں بھی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کے معجزانہ ذکر کا حامل ہوتا ہے۔

امامت کے خلا میں پہنچ چکا ہو۔

سوال: مانا گیا کہ نور کا ایک نام ذکر بھی ہے، مگر نور ذکر کے معنی میں قرآن کس طرح ہے؟ جواب: نور ذکر کے معنی میں قرآن اس طرح سے ہے، کہ ذکر اگر ایک طرف سے نور ہے، تو دوسری طرف سے قرآن کی رُوح ہے، پس نور، ذکر اور رُوحِ قرآن ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کی ۴۲/۵۲ میں ارشاد ہُوا ہے کہ قرآن وحی کی کیفیت میں اب بھی ایک عظیم رُوح اور نور ہے۔

نور، ذکر اور رُوحِ قرآن ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں۔

نیز اِسی رُوح اور نور کو ۵۴/۲۲ میں ذکر کا نام بھی دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ: اور ہم نے قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ ذکر کرلے۔ قرآن کو ذکر کے لئے آسان کر دینے کا مطلب یہ ہے، کہ قرآن کی زندہ رُوح اللہ تعالیٰ کے اسمِ بزرگ میں ہے جو امامِ زمانؑ کا نور ہے، حضورِ اکرمؐ نبوّت سے پہلے اسی بزرگ اسم کا ذکر کر لیا کرتے تھے، اور اسی سے قرآنِ پاک کا ظہور ہُوا، اور اب بھی قرآنِ حکیم کی رُوحانیّت و نورانیت اِسی اِسم اور اِسی ذکر میں موجود ہے۔

قرآن کی زندہ رُوح اللہ تعالیٰ کے اسمِ بزرگ یعنی امامِ زمان کے نور میں ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا، کہ نور کے ناموں میں سے ایک نام ذکر بھی ہے، اور بیان ہُوا کہ ذکر کے یہ یہ معانی ہیں، پس اسی حقیقت کے بارے میں سورہ طلاق کی دسویں اور گیارہویں آیت کا یہ ارشاد ہے کہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے، ایک ایسا رسول جو تم کو واضح نشانیاں پڑھتا ہے تاکہ ایسے لوگوں

کو جو ایمان لائے اور اچھّے کام کریں تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے۔

اِس آیۂ حکمت آگین کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے دنیائے اسلام میں ایک ایسا زندہ اور مجسم ذکر بھیجا، کہ اس میں ذکر کے تمام مذکورہ معانی اور اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، جو رسولِ مقبولؐ تھے، دُوسری طرف سے اس کے باطنی معنی یا تاویل یہ ہے، کہ حقیقی مومنوں اور عارفوں کے پاکیزہ دل و دماغ میں اسمِ اعظم کا ذکر ڈالا گیا ہے، جس میں رحمتِ عالمینؐ اور امامِ مُبینؑ کا نورِ واحد موجود ہے، جو ہمیشہ روحانیت، ہدایت اور علم و حکمت کی روشن آیات پڑھتا ہے تاکہ مومنوں اور نکوکاروں کو جہالت و نادانی کی تاریکیوں سے نکال کر اپنی ذات کی انتہائی معرفت کی روشنی کی طرف لے آئے۔

رسولِ مقبولؐ زندہ اور مجسّم ذکر تھے۔

اسمِ اعظم میں رحمتِ عالمینؐ اور امامِ مُبینؑ کا نورِ واحد موجود ہے۔

نُور اور دَورِ روحانیّت

سورۂ تحریم کے دوسرے رکوع کے شروع (۶۶/۸) میں ہے کہ: اے ایمان والو تم اللہ کی طرف خالص توبہ کرو، قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے برائیاں دُور کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دے گا، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، اُس دن اللہ تعالیٰ نبی (صلعم) کو اور جو مومنین (تابعداری کی رُو سے) ان (یعنی پیغمبر) کے ساتھ ہیں، ان کو رسوا نہ کرے گا، ان کا نُور ان کے داہنے اور ان کے سامنے سعی کرتا ہوگا، کہیں گے کہ

اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اِس نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اِس آیۂ مقدّسہ کی حکمتوں کے سلسلے میں یہ ہے، کہ عموماً سب مسلمانوں سے اور خصوصاً عہدِ نبوّت کے مسلمین سے فرمایا جاتا ہے کہ: "اے ایمان والو! تم اللہ کی طرف توبۂ نصوح کرو"، یعنی اے لوگو! جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف خالص اور سچّی توبہ کر لو، مطلب یہ کہ ظاہری اور باطنی گناہوں کو انتہائی ندامت کے ساتھ ترک کر دو اور اپنی نیّت، قول اور عمل کی واجبی طور پر اصلاح کرو، کیونکہ توبہ اِلَی اللہ کے معنی دل و جان سے خدا کی طرف رجوع کرنے کے ہیں، جس کے لئے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی ضرورت ہے۔

توبہ اِلَی اللہ (دل و جان سے خدا کی طرف رجوع کرنے) کے لئے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد جو الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، اُن میں نور اور روحانی دَور کے انقلابات کی پیش گوئی کی گئی ہے، اور روحانی دَور کی بابت یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت یہ کہ وہ باطنی طور پر ہمیشہ جاری و ساری ہے، اور دوسری صورت یہ ہے، کہ وہ ایک مقرّرہ وقت میں ظاہر ہو کر دنیا والوں کو متاثر کرے گا۔

روحانی دور کی دو صورتیں۔

اب اس مقام پر قرآنِ حکیم کی حکمت کا یہ اصول قابلِ ذکر ہے، کہ قرآنِ مجید میں جہاں کہیں دنیا والوں کی اجتماعی حالت کے بارے میں کوئی پیش گوئی کی گئی ہے، اس کے اندر لوگوں کی انفرادی حالت کی بھی پیش گوئی پوشیدہ ہے،

مثال کے طور پر جن آیاتِ کریمہ میں ایسی قیامت کا ذکر آیا ہے جو موت کے بعد واقع ہونے والی ہے، ان میں انسانی افراد کی شخصی قیامتوں کا بھی تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ خالص اور سچّی توبہ کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے کہ "قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے بُرائیاں دُور کر دے گا" اِس ارشاد سے ایک تو یہ معلُوم ہوتا ہے، کہ نافرمانیوں اور گناہوں سے توبۂ نصوح کرنے کے بعد بھی مومنوں میں کچھ ایسی بُرائیاں باقی رہتی ہیں، جنہیں وہ خود دور نہیں کر سکتے، دوسرا یہ پتہ چلتا ہے، کہ خالص اور قلبی طور پر توبہ کرنے کے بعد امامِ وقت کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا دروازہ کھُل جانے کی اُمید ہے۔

خالص اور قلبی توبہ کرنے کے بعد بوسیلۂ امامِ وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا دروازہ کھُل جاتا ہے۔

یہاں پر یہ ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، کہ وہ کون سی بُرائیاں ہیں، جن کو مومن اپنی ذات سے توبۂ نصوح کرنے کے باوجود بھی دور نہیں کر سکتا؟ اِس کا جواب یہ ہے، کہ انتہائی حد کی توبہ کرنے کے بعد نفسانی گناہوں کی امکانیت البتہ ختم ہو جاتی ہے، مگر مذہب سے متعلق باطل خیالات اور غلط نظریات ایسی چیزیں ہیں، جن کو مٹانے کے لئے تنہا توبۂ نصوح کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے ساتھ خصوصی ہدایت اور علمِ توحید کی ضرورت ہے، جو امامِ زمانؑ کے وسیلے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

مذہب سے متعلّق باطل خیالات اور غلط نظریات کو مٹانے کے لئے تنہا توبۂ نصوح کافی نہیں۔

بعد ازاں ارشاد ہے کہ: "اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دے گا، جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں"، یہ بہشتِ روحانیت کے اُن باغوں کا ذکر ہے، جن کا تعلق نہ صرف انسان کی دوسری

ہی زندگی سے ہے، بلکہ اِسی زندگی کی روحانیت میں بھی جُزوی طور پر ان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، جن میں انسانی عقل وجان کے لئے ہر قسم کی نعمتیں اور لذتیں موجود ہیں، ایسے باغوں کے نیچے تائیدِ الٰہی کی نہریں چلتی ہیں، یعنی ان رُوحانی درجات میں عقلِ کُل کی تائید، نفسِ کُل کی تخلیق، ناطق کی تنزیل اور اساس کی تاویل کی قوتیں جاری وساری ہیں۔

بہشتِ روحانیت کے باغوں کے نیچے تائیدِ الٰہی کی نہریں چلتی ہیں۔

پھر ارشاد ہُوا ہے کہ "اُس دن اللّٰہ تعالیٰ نبی (صلعم) کو اور جو مومنین (فرمانبرداری کی رُو سے) ان کے ساتھ ہیں ان کو رسوا نہ کرے گا"، یہ واقعہ رُوحانی دَور سے متعلق ہے، رُوحانی دَور دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، وقت سے پہلے انفرادی طور پر بھی ہے، اور وقت آنے پر اجتماعی حالت میں بھی؛ ایسے دور میں خدا تعالیٰ پیغمبر کو اور ان مومنین کو رسوا نہیں کرے گا، جو تابعداری، محبت اور رُوحانیت کے اعتبار سے اور نورِ امامت کی معیّت کے لحاظ سے (کہ امام کا نور پیغمبر کا نور رہا ہے) پیغمبر کے ساتھ ہیں۔

دورِ روحانی دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، انفرادی طور پر بھی ہے اور اجتماعی حالت میں بھی۔

"اُن مومنین کا نور ان کے داہنے اور ان کے آگے سعی کرتا ہوگا"، یعنی ایسے دور میں، جس کا اوپر ذکر کیا گیا نورِ امامت؛ جو نورِ ایمان بھی وہی ہے، مومنین کے داہنے کان اور ان کی پیشانی سے خطاب کرے گا، جس میں ان کی دنیا وآخرت سے متعلق رشد وہدایت اور علم وحکمت ہوگی، کیونکہ تاویل کی زبان میں داہنی طرف ظاہر کو کہتے ہیں، جس سے یہ دنیا مراد ہے،

دورِ روحانی میں نُورِ امامت مومنین کے داہنے کان اور ان کی پیشانی سے خطاب کرے گا۔

اور آگے کا مطلب آخرت ہے، کہ آخرت انسان کے مستقبل میں ہے۔

"وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے اس نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما"۔ یعنی اس وقت مومنین کو اِس بات کا احساس ہوگا، کہ وہ باوجود کم علمی اور محتاجی کے قبلاً اِس رحمتِ بے پایان سے غافل تھے، لہٰذا وہ خداوند تبارک و تعالیٰ سے یہ دعا کریں گے، کہ اے پروردگار! ہمارے اِس نور کو درجۂ کمال تک پہنچا دے! یعنی ہماری ذاتی روحانیت کو نور کی اصل سے واصل کر دے! اور ہم جو اِس امکانی رحمت سے قبلاً غافل رہے ہیں، اس کے لئے ہمیں معاف فرما! اور ہمارے آئندہ گناہوں کو بھی بخش دے!

"بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ یعنی جب مومنین روحانی دَور میں اللہ جلّ شانہٗ کے لاتعداد معجزات اور بے شمار قدرتوں کا مشاہدہ کریں گے، تو اس وقت وہ زبانِ قال اور زبانِ حال دونوں سے کہا کریں گے، کہ بیشک تو ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے، اور تیری قدرت میں "کوئی شئی ناممکن نہیں"۔

آفتاب و ماہتاب

قرآنِ حکیم کی ۱۰/۵، ۲۵/۶۱ اور ۷۱/۱۶ میں سورج اور چاند کی روشنی کا ذکر اس انداز سے یکجا طور پر آیا ہے، کہ سورج اِس کائنات کے لئے ظاہری اور مادی روشنی کا سرچشمہ ہے اور چاند اس کا مظہر ہے۔

چاند سورج کا مظہر ہے۔

یہ پُرحکمت آیتیں ایک ہی موضوع یعنی نور کے مضمون اور بیان سے متعلّق ہیں، جن کے مربوط مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجے میں بہت سے حقائق و معارف سامنے آتے ہیں، جن سے نور اور مظہرِ نور کے تصور کے علاوہ توحید کے دوسرے انتہائی اعلیٰ تصورات جیسے ہمہ ازوست یا ہمہ اوست وغیرہ کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

چنانچہ سورۂ نوح کی پندرہویں اور سولہویں (یعنی ۷۱/۱۵-۱۶) میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں اور چاند کو نور قرار دیا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔

جاننا چاہئے، کہ قرآنی حکمت کے اصولات میں سے ایک اصول یہ بھی ہے، کہ کسی بھی گوہرِ حقیقت کا مشاہدہ نہ صرف اس کے مختلف پہلوؤں سے کرایا جاتا ہے، بلکہ ہر پہلو کا مشاہدہ بھی مختلف زاویوں سے کرایا جاتا ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم کی اُن آیاتِ کریمہ میں، جو سورج، چاند اور ان کی روشنی کے متعلق ہیں،

کبھی ارشاد ہُوا ہے، کہ سوُرج کی ذات چراغ ہے یعنی ایک خالی ظرف، کبھی ارشاد کیا گیا ہے، کہ وہ ایک روشن چراغ ہے اور کبھی فرمایا گیا ہے، کہ سوُرج گویا چراغ کا ظرف ہے اور چاند اس کا نوُر (یعنی شعلہ) ہے۔

پس حقیقی مومنین کے لئے واضح رہے کہ نور کی مذکورہ مثالوں کے ممثولات اِس طرح سے ہیں، کہ قرآن پاک میں جہاں سورج کی مثال ایسے ظرفِ چراغ سے دی گئی ہے جس کو روشن کر دینے کے لئے تیل کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں نظریۂ ہمہ اوست (ایک حقیقت) کی طرف اشارہ ہے، کہ جس طرح اجزائے کائنات کے تمام ذرّات باری باری سورج کے مقام پر پہنچ کر روشنی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اِسی طرحِ ہر چیز کی روح جب خدا کی ذات سے واصل ہو جائے، تو وہ فنا ہو کر اس کی صفات کی روشنی بن جاتی ہے، یہ ہمہ اوست اور یک حقیقت کا نظریّہ ہے۔

نظریۂ ہمہ اوست (ایک حقیقت)

جہاں ارشاد ہُوا ہے کہ سورج ایک ایسا روشن چراغ ہے جو کائنات میں روشنی پھیلا دیتا ہے، تو اس کے معنی ہمہ ازدست اور یک الہیّت کے ہیں، کیونکہ جس طرح ہر چیز کا مادّی وجود سورج سے بنتا ہے، اسی طرح ہر چیز کی روحانی ہستی خدا سے ہے۔

نظریۂ ہمہ ازدست (ایک الہیّت)

اور جہاں سورج کو چراغ اور چاند کو نور یعنی شعلۂ چراغ قرار دیا گیا ہے، اور یہ مثال رات کے لحاظ سے ہے، جس کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولِ برحق ؐ کی غیر مرئی صفات

کا نورِ امامِ زمانؑ سے ظاہر ہوتا ہے، چونکہ یہی انسانِ کامل ہے اور یہی خدا کا مظہر ہے۔

روشنی بلا واسطہ سورج کی ہو یا بالواسطہ چاند کی، ہر حالت میں ایک ہی روشنی ہے، اس میں کوئی دوئی نہیں، مگر اس میں یہ فرق ضرور ہے کہ رات کے وقت جو روشنی چاند سے زمین پر پڑتی ہے، وہ براہِ راست نہیں آتی، بلکہ چاند کی سطح سے ٹکرا کر آتی ہے، اس لئے وہ سورج کی روشنی کی طرح تیز اور گرم نہیں ہوتی، جس کی وجہ یہ ہے، کہ ہم رات کے وقت نہ صرف یہی کہ سورج سے دور ہو جاتے ہیں، بلکہ چاند بھی ہم سے بہت ہی دور رہتا ہے، پس اگر ہم اُس وقت چاند کی سطح پر جائیں، تو وہاں اس وقت رات نہ ہوگی بلکہ دن ہوگا، اس لئے وہاں ہم کو براہِ راست سورج نظر آئے گا، اس مثال کی تاویل یہ ہے کہ جو انسان امامِ زمانؑ کے لئے اقرار کرے، اس کے لئے امام کی شخصیت چاند ہے اور امام کی ہدایت چاند کی روشنی ہے، جب ایسا مومن منازلِ معرفت کو طے کر کے امام کی ذاتِ اقدس تک پہنچ جائے گا، تو اس وقت اس کے لئے امامِ زمان کی ہدایت خدا اور رسول کی ہدایت ثابت ہوگی، جیسے چاند کی روشنی میں چاند پر پہنچ جانے کے ساتھ ساتھ چاندنی سورج کی روشنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

امامِ زمانؑ کی ہدایت خدا اور رسول کی ہدایت ہے۔

امام شناسی

حصّهٔ سوم

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حرفِ آغاز

حضرت آدم علیہ السّلام کی خلقت و بعثت سے قبل ربّ العزّت نے جو تمام فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ:
اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً - ۲/۳۰ یعنی میں (ہمیشہ) زمین پر ایک خلیفہ مقرّر کرنے والا ہوں۔ اس فرمانِ خداوندی کا اصل مطلب یہ پیش گوئی اور یہ اعلان تھا، کہ خلافت و نیابتِ الٰہیّہ کا مبارک و مقدّس منصب آدمؑ و اولادِ آدمؑ کے انبیائے کرامؑ اور ائمّۂ عظامؑ کے پاک سلسلے میں رہتی دنیا تک جاری و باقی رہے گا، چنانچہ اسی منشائے خداوندی کے مطابق پہلے دورِ نبوّت میں یہی خلافتِ الٰہیّہ پشت بہ پشت چلتی آئی تھی، اور اس کے بعد پھر دَورِ امامت میں یہی ربّانی منصب آج تک جامہ بجامہ جاری ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔

خلافت و نیابتِ الٰہیّہ کا مُبارک منصب آدمؑ و اولادِ آدمؑ کے پاک سلسلے میں رہتی دنیا تک جاری ہے۔

اِس حقیقت کے بارے میں اگر کوئی دانشمند ذاتی طور پر بھی تحقیق و تدقیق کرنا چاہے، تو اسے سب سے پہلے لفظ جَاعِلٌ کے معنی میں خوب غور و فکر کرنا چاہئے، کہ جاعل اِسمِ فاعل ہے اور یہاں اس کی معنوی وسعت کا تعلق ف

الارض کے ساتھ ہے، اور فی الارض سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے سے لے کر قیامِ قیامت تک سیّارہ زمین پر بستے جائیں گے، اور لفظِ خَلِیْفَۃً سے اس حقیقت کا دو طرح سے ثبوت ملتا ہے، کہ خَلِیْفَۃً کے معنی ہیں ایک جانشین یا ایک نائب، جو ایک اعتبار سے حضرت آدم علیہ السّلام خدا کا وہ واحد خلیفہ ہے، جس کی اولاد کے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السّلام اپنے اپنے وقت میں اُسی کی خلافت کے وارث، ولی اور نمائندے تھے، اور دوسرے اعتبار سے یہ بھی درست ہے کہ ہر پیغمبر اور ہر امام اپنے زمانے میں خدا کا ایک خلیفہ ہے، اور یہ دونوں باتیں ایک ہی حقیقت کی حامل ہیں۔

حضرتِ آدمؑ کی اولاد کے تمام انبیاء و ائمہ علیہم السّلام اُسی کی خلافت کے وارث تھے۔

اگر حضرت آدمؑ کی خلافت ان کی اولاد کے پیغمبروں اور اماموں کے سلسلے میں قیامت تک جاری و باقی رہنے والی نہ ہوتی، تو فرشتوں نے امرِ خلافت پر اعتراض کیوں اٹھایا، اگرچہ وہ فرشتے حقائقِ اشیاء سے واقف و آگاہ تو نہیں تھے، لیکن دنیا میں پیش آنے والے واقعات کی ظاہری حالت کو کسی ذریعے سے جانتے تھے، اور ان کا اعتراض اِس انداز میں ہے کہ اس سے دنیا میں ہمیشہ لوگوں کے درمیان خلیفۂ خدا کی موجودگی ثابت ہو جاتی ہے، جیسے انہوں نے کہا کہ: کیا تو ایسے شخص کو زمین میں خلیفہ مقرر کرتا ہے، جو اس میں فساد اور خونریزیاں کرے گا۔ ۲/۳۰ اس کے جواب

فرشتوں نے امرِ خلافت پر اعتراض کیوں اٹھایا؟

میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے۔

دنیا میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور حق و انصاف کی تائید و حمایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی خلافتِ صوری و معنوی ہمیشہ قائم ہے، اسی لئے پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ: یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ۳۸/۲۶ اے داؤد تحقیق ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرتے رہنا۔ اس آیۂ کریمہ سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر ہوا، کہ خدائے حکیم نے وہ حکم، جو زمین والوں سے متعلق تھا، تمام معنوں کے ساتھ اپنے برگزیدہ خلیفہ کے حوالے کر دیا ہے، ورنہ خلیفہ کا یہ لقب بے معنی ہو جاتا، قرآنِ پاک کی اس تعلیم کے بموجب جب حکم دینا خلافتِ الٰہی کے بغیر روا نہیں، تو امر کرنا خدا کی خلافت کے سوا کس طرح جائز ہو سکتا ہے، پس یہ حقیقت یقینی الفاظ میں ثابت ہوئی، کہ قرآنِ حکیم نے ائمۂ طاہرین صلوات اللہ علیہم کو اولوالامر اس لئے کہا ہے، کہ ان کو اللہ نے روئے زمین پر اپنی خلافت و نیابت کے شرف سے مشرف کر کے امر کا مالک اور مختار بنا دیا ہے۔

امام شناسی کی اس کتاب کے آغاز میں خلافتِ آدمؑ کی بحث اس لئے کی گئی، کہ ان کی خلافت نہ صرف کارِ نبوّت کی بنیاد ہے، بلکہ یہ کسی شک کے بغیر امرِ امامت کی

دُنیا میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی خلافت ہمیشہ قائم ہے۔

امر کرنا خدا کی خلافت کے سوا جائز نہیں۔

ائمۂ طاہرین روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت و نیابت کے شرف سے مشرف اور امر کے مالک ہیں۔

بھی اساس ہے، پس ہم نے اِس بیان میں حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی خلافت کی قرآنی دلیل سے یہ حقیقت واضح کر کے بتایا، کہ امامؑ خدا کے خلیفۂ معنوی کی حیثیت سے ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہیں، اور ان کی معرفت کا حصول ہر دیندار آدمی کے لئے انتہائی ضروری شیٔ ہے، چنانچہ ہم نے اپنے اسماعیلی بھائیوں کے لئے امام شناسی کے مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ہے، جسمیں قبلاً دو کتابیں تیار ہو چکی تھیں، اب خدا کے فضل و کرم سے زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کا تیسرا حصّہ ہے، جو مکمل ہو کر آپ کے سامنے ہے۔

امامؑ خدا کے خلیفۂ معنوی کی حیثیت سے ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہیں۔

یہ کتاب ایسی آیاتِ قرآنی کی شہادتوں پر مبنی ہے، جن میں "کُلّ" کا لفظ آیا ہے، اِن آیتوں کو کُلّیات یعنی عام قوانین کے درجے میں مانتے ہوئے ہر کُلّیّے کی حقیقتوں سے امام شناسی کی ضرورت و اہمیّت ظاہر کر دی گئی ہے، اس کتاب میں مضامین کا یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے، کہ قرآنِ حکیم میں امام شناسی کا ایک مشہور کُلّیّہ "وَكُلَّ شَيۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِيۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ" ہے، اور اس کے معنی ہیں کہ ربّ العزّت نے ہر چیز کو امامِ مبین کی ذات میں گھیر کر رکھا ہے، جب یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ امامؑ ہر چیز پر محیط ہے، تو ماننا پڑے گا، کہ امام شناسی کا موضوع تمام موضوعات پر حاوی ہے، پس ہم نے یہ ثابت کر کے

چونکہ امام ہر چیز پر محیط ہے (۳۶ : ۱۲) اس لئے امام شناسی کا موضوع تمام موضوعات پر حاوی ہے۔

دکھانا تھا، کہ امام شناسی کے مذکورہ کلیّے نے قرآن کے دوسرے تمام کلیّات کو کس طرح گھیر لیا ہے، چنانچہ آپ اس کتاب کے مطالعے سے یہ معلوم کر سکتے ہیں، کہ واقعاً تمام کلیّات امامِ مبین کے کلیّے میں داخل ہیں اور قرآنِ حکیم کی ساری آیات مختلف کلیّوں میں سموئی ہوئی ہیں۔

قرآنِ حکیم کی ساری آیات مختلف کلیّوں میں، اور تمام کلیّات، کلیۂ امامِ مُبین میں سموئے ہوئے ہیں۔

قرآن وحدیث کے علاوہ عقل بھی اِس بات کی گواہی دیتی ہے، کہ ہر چیز کا ایک دروازہ ہوا کرتا ہے، اسی طرح قرآن کی مختلف حکمتوں کے بھی خزانے ہیں، ان خزانوں کے مقفل دروازے ہیں اور ان قفلوں کی کلیدیں ہیں، جیسے قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ: افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوبٍ اقفالُھا ۴۷/۲۴ تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں۔ چنانچہ ہم نے اِس کتاب میں (ان شاءَ اللّٰہ تعالیٰ) امامِ برحق صلوات اللّٰہ علیہ وسلامہ کے نورِ معرفت کی روشنی میں جن خاص خاص کلیدوں کو درج کر لیا ہے وہ حقیقی مومنین کے لئے واقعی امام شناسی اور قرآنی علم وحکمت کے گنجینوں کی کلیدیں ہیں۔

میں یہ کہتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں کرتا ہوں بلکہ اس سے مجھے بے اندازہ خوشی ہے کہ میں علم کا غنی نہیں، درویش ہوں اور امامِ عالی مقام ع کے دروازۂ روحانیت پر شب وروز شیءً لِلّٰہِ کی صدا وصلا لگاتا رہتا ہوں، پس اگر میری تحریروں سے جماعت کی کوئی علمی خدمت ہو سکتی ہے،

تو یہ اسی شاہِ ولایت و نورِ ہدایت کی مہربانی سے ہے، اور اگر ان قلمی کوششوں میں کچھ لفظی خامیاں ہیں، تو وہ میری اپنی نفسانی کدورتوں کے سبب سے ہیں۔

میں بالآخر گروہِ مومنین کی قلبی دعائیں چاہتا ہوں، تاکہ قادرِ متعال اپنے ولیؑ امرِ امامِ حیّ و حاضر کے وسیلے سے اس بندۂ ناچیز کو بیش از بیش علمی خدمت کی توفیق و ہمت عنایت فرمائے! آمین یارب العلمین!!

فقط خاکسار مصنّف

۱۲ / ۳ / ۷۴

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۱

قدرتِ کاملہ

اللہ تعالیٰ کی طاقت و توانائی کا نام قدرتِ کاملہ ہے، قرآنِ حکیم کے پُرحکمت کلیات کے سلسلے میں سب سے پہلے وہ کلیہ آتا ہے، جو قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کے متعلق ہے، جو سورۂ بقرہ کی بیسویں آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ: اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر (۲/۲۰) یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

قدرتِ کاملہ = اللہ تعالیٰ کی طاقت و توانائی

یہاں کُلِّ شَیۡءٍ کی وضاحت سب سے ضروری ہے کہ کُلِّ شَیۡءٍ یعنی ہر چیز سے نہ صرف ممکنات مراد ہیں، بلکہ اس میں غیر ممکنات کا بھی تذکرہ موجود ہے، کیونکہ قادرِ مطلق کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں، جسکی ایک واضح اور روشن دلیل یہ ہے، کہ زمانۂ قدیم کے دنیاوی حکماء کے نزدیک جتنی چیزیں ناممکن تھیں، ان میں سے اب بہت سی چیزیں سائنسی انقلاب کی بدولت ممکن ہو چکی ہیں، اور اس قسم کے انکشافات و ایجادات کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، پھر یہ اندازہ شاید غلط نہ ہوگا، کہ آنے والی چند صدیوں کے اندر اندر بے شمار ناممکن چیزیں ممکنات میں شامل ہو جائیں گی،

کُلِّ شَیۡءٍ (ہر چیز) میں ممکنات کے ساتھ ساتھ غیر ممکنات کا تذکرہ بھی ہے۔

اسی طرح رفتہ رفتہ ہو سکتا ہے، کہ غیر ممکن اور محال کا نظریّہ قطعی طور پر ختم ہو جائے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ہر چیز پر قادر ہونے اور اس کے لئے کوئی چیز ناممکن نہ ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو، کہ انسان، جو اس کی ایک مخلوق ہے، آئے دن کسی نہ کسی ناممکن چیز کو ممکن ثابت کرتا جا رہا ہے، یہ سب کچھ اسی قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ کی مہربانی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے بیان کے ضمن میں انسان کی طاقت و توانائی کی بحث بھی چھڑ گئی ہے، اور یہ مسئلہ ایسا نہیں، کہ اس کو پس پشت ڈال دیا جائے، کیونکہ "ناممکن" کا تصوّر وہی تو ہے، جس نے دنیا کی بہت سی قوموں کے لئے علم و حکمت کے دروازے بند اور ترقی و کامیابی کی راہیں مسدود کر دی ہیں، اس لئے جاننا چاہیئے، کہ انسان، خواہ وہ مادّیت کے میدان میں ہو یا روحانیت کے مقام پر، خدا تعالیٰ کی قدرت و توانائی کا مظہر ہے، کیونکہ خدائے حکیم کے سارے معجزات انسان ہی سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:۔

انسان خدا تعالیٰ کی قدرت و توانائی کا مظہر ہے۔

خدائے حکیم کے سارے معجزات انسان ہی سے ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔

سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحق ۴۱/۵۳۔ ہم عنقریب ان کو آفاق میں بھی اور ان کے نفوس میں بھی اپنے معجزات دکھائیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائیگا کہ وہ برحق ہے۔

ظاہری اور مادّی قسم کے معجزات

قرآنِ حکیم کی اِس پیش گوئی سے دانا کے لئے ظاہر ہے، کہ پہلے تو اس دنیا میں ظاہری اور مادّی قسم کے معجزات رونما ہونے والے تھے، جنکا سلسلہ اب تک جاری ہے، اس کے بعد نفوسِ انسانی روحانی دور کی آمد سے متاثر ہونے والے ہیں، جس کے نتیجے میں روحانی قسم کے معجزات کا دَور دَورہ ہونے والا ہے، پس مومن کو چاہئے، کہ روحانیت کے انقلابی دور کے ساتھ سازگاری کے لئے اپنے آپ کو تیار کر کے رکھے، یہ تیاری کس طرح ہو سکتی ہے؟ یقینی درجے کے علم سے، امام شناسی کے علم سے اور ذاتی روحانیت کے تجربات سے، اس کے علاوہ قرآن حکیم کے ایسے کلیّات میں غور وفکر کرنے سے، جن میں ہر چیز کے قوانین کا علم وحکمت اور ہر شی کی حقیقت و معرفت موجود ہے، تاکہ ایک طرف سے "ناممکن" کا تصوّر ختم ہو کر "ممکن" کا نظریہ پیدا ہو سکے اور دوسری طرف سے روحانی دور کے اثرات کے متحمل ہونے کی اہلیّت پیدا ہو سکے۔

روحانی قسم کے معجزات

جب تک کوئی انسان مادّیت کی تنگ و تاریک چار دیواری کے اندر مقید و محبوس، روحانی علم سے بے بہرہ اور امکانیّت کی بے پناہ وسعتوں سے ناآشنا ہے، تو پھر وہ کیسے باور کر سکتا ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور علم نے انسان کے لئے ہر قسم کی امکانیت پیدا کر دی ہے اور کوئی چیز ناممکن نہیں، بلکہ ہر چیز، ہر بات اور ہر کام ممکن ہے، ہاں یہ بات

اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور علم نے انسان کیلئے ہر قسم کی امکانیت پیدا کر دی ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ضرور ہے کہ ہر ممکن کے لئے ایک مناسب مقام اور ایک خاص موقع یا کہ کوئی ضروری شرط مقرّر ہے، یعنی ازل سے ابد تک، دنیا سے آخرت تک اور مکان سے لامکان تک انسان کے لئے ہر چیز کی امکانیت کے بے شمار مواقع ملنے والے ہیں، اسی لئے ارشاد ہے کہ مایوسی کفر ہے اور اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم نے خدا سے مانگا تھا، اُس نے وہ سب تم کو دے رکھا ہے۔

ہر ممکن کے لئے ایک مناسب مقام اور ایک خاص موقع یا کہ کوئی ضروری شرط مقرّر ہے۔

قدرتِ کاملہ اور ممکن و ناممکن کے اِس بیان کے ساتھ ساتھ لازمی ہے کہ انبیاء و ائمۂ علیہم السّلام کے ظاہری و باطنی اور علمی و عملی معجزات کا بھی بطریقِ اِجمال کچھ تذکرہ کر دیا جائے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہے، کہ قادرِ مطلق نے جن کامل انسانوں کو نبوّت یا امامت کے نورِ مقدس کا حامل بنا کر بنی نوعِ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا ہے، ان کو اثباتِ حقانیّت و صداقت کے طور پر طرح طرح کے معجزات کی روحانی طاقت سے بھی نوازا ہے، تاکہ ہادیٔ برحق کے متعلق باور کرنے والے مکمل طور پر باور کریں اور انکار کرنے والے یا تو باور کریں یا انتہائی حد کا انکار کریں، تاکہ ان کے بارے میں قانونِ الٰہی کوئی فیصلہ صادر کرے، ظاہری اور حسّی معجزات کی کیفیت و حقیقت بس ایسی ہے، مگر بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے، کہ جن لوگوں نے شروع شروع میں معجزات پر ایمان لایا تھا، وہ بھی رفتہ رفتہ ان معجزات کے ایسے ہی عادی بن

قادرِ مطلق نے انبیاؑ و اولیاؑ علیہم السّلام کو اثباتِ حقانیت و صداقت کے طور پر طرح طرح کے معجزات کی روحانی طاقت سے نوازا ہے۔

گئے، کہ معجزات انکی نظر میں معجزات ہی نہ رہے، انہوں نے معجزات کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا، ایسا کیوں ہُوا؟ اس لئے کہ ان میں قساوتِ قلبی پیدا ہوئی یعنی دل کی سختی، جس کی وجہ سے ان کا ایمان روز بروز کمزور ہوتا گیا، اس واقعہ کی ایک مثال بنی اسرائیل کے قرآنی قصّے میں موجود ہے۔

قساوتِ قلبی = دل کی سختی

ان حالات کے برعکس ہادیٔ برحقؑ کی حقیقی فرمانبرداری اور اس کی محبت و عشق میں ایمان و ایقان، اور علم و حکمت کے جو جو عجائبات اور معجزات پوشیدہ ہیں، ان کے بار بار سامنے آنے سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان میں کوئی خطرہ نہیں۔

ہادیٔ برحق کی فرمانبرداری و عشق میں علم و حکمت کے عجائبات و معجزات پوشیدہ ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۲

علمِ الٰہی

دوسرا قرآنی کلیہ اللہ تعالیٰ کے علم کے باب میں ہے، جو البقرہ کی انتیسویں آیت میں ہے کہ: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۲/۲۹ اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

اس حقیقت کے بارے میں مومنین و مسلمین کو ذرہ بھر شک و شبہ نہ ہوگا، کہ اللہ پاک ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، نہ اس کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز باہر ہے، لیکن جو اہلِ بصیرت خدا کی توحید و معرفت سے واقف و آگاہ ہیں، ان کے نزدیک علم کی یہ صفت حضرت ربّ العزّت کے لئے کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ اس کی فرمانبرداری کے نتیجے میں قلمِ قدرت (عقلِ کُلّ) اور لوحِ محفوظ (نفسِ کلّ) کو بھی ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی قدرت دی گئی ہے۔

اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

قلمِ قدرت (عقلِ کُلّ) اور لوحِ محفوظ (نفسِ کُلّ) کو ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی قدرت دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک ایسی زندہ اور حقانیت و صداقت سے بولنے والی کتاب ہے، کہ اس میں دستِ قدرت نے روحانی اور نورانی تحریر سے ہر چیز کا احاطۂ علمی کر رکھا ہے، یہ حقیقت اِن دونوں آیتوں کا

زندہ اور حقانیت و صداقت سے بولنے والی کتاب

ما حصل ہے :۔

وَلَدَیْنَا کِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ ۲۳/۶۲ اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو سچ سچ کہدیتی ہے۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۷۸/۲۹ اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں گھیر رکھا ہے۔ جب یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے، کہ خدا کی اس نورانی کتاب میں تمام چیزیں موجود ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کتاب سے باہر ہو، پھر یہ بات لازمی ہے کہ خدا کی اپنی مخصوص چیزیں بھی اِس معجزاتی کتاب میں ہوں، جبکہ یہ کتاب خدا ہی کی ہے، خدا کی خاص خاص چیزیں کون کونسی ہیں؟ خدا کی جملہ خوبیاں، یعنی تمام صفات ہیں، جن میں سب سے پہلے حیات، علم، ارادہ اور قدرت ہے، اس بیان سے جب یہ حقیقت صاف طور پر ظاہر ہوگئی، کہ خدا کی زندہ اور بولنے والی کتاب میں اس کی ساری خوبیوں کے خزانے پنہان ہیں، تو پھر اس حقیقت کے لئے بھی تسلیم کرنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نور کے سوا اور کوئی چیز ایسی کتاب نہیں ہوسکتی ہے، جو پروردگارِ عالم کی جملہ صفات سے متصف ہو۔

خُدا کی اپنی مخصوص چیزیں ایک معجزاتی و نُورانی کتاب میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقدس نور میں اس کی ساری خوبیوں کے خزانے پنہان ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نورِ پاک کے حامل صرف انبیاء وائمہ علیہم السّلام ہی ہیں، جنہیں خدا نے روئے زمین کی خلافت ونیابت کے لئے برگزیدہ فرمایا ہے، اور ان حضرات کی برگزیدگی فقط اسی معنی میں ہے کہ ربّ العزّت نے ان کو اپنے اپنے وقت میں نورِ مطلق کا چراغ قرار دیدیا ہے

انبیاء وائمہ علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کے نورِ پاک کے حامل ہیں۔

انبیاء وائمہ علیہم السّلام نورِ مطلق کے روشن چراغ ہیں۔

تاکہ ان کی ہدایت و رہنمائی اور علم و حکمت کی ضیا پاشیوں سے عالمِ دین تابان و درخشان ہوتا رہے، جیسا کہ قرآن حکیم کی [۳۳/۴۶] کے ارشاد سے ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے وقت میں خدائی نور کے روشن چراغ تھے۔

یہ ہمارا اپنا عقیدہ اور ایمان ہے کہ خدا کے خلیفہ، قلمِ قدرت اور لوحِ محفوظ کا مظہر، کتابِ ناطق اور پیغمبرِ آخر زمانؐ کا نور اور آپؐ کے جانشین امامِ مبینؑ ہیں، یعنی امامِ زمانؑ،

نظریۂ امامِ مبین ایک ازلی وابدی حقیقت ہے۔

ہمارے نزدیک امامِ مبین کا نظریہ ایک ازلی وابدی حقیقت ہے، چنانچہ قرآنِ عظیم کا ارشاد ہے کہ: وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ [۳۶/۱۲] اور ہم نے ہر چیز کو امامِ ظاہر (کے نور) میں گھیر کر رکھا ہے۔

لوحِ محفوظ کے وجود کی کیفیت و حقیقت

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امامِ مبین سے لوحِ محفوظ مراد ہے، تو میں سوال کروں گا، کہ اچھا حضرت، یہ تو بتائیے کہ لوحِ محفوظ کس چیز سے بنی ہے؟ یعنی اس کے وجود کی کیفیت و حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ قیمتی جواہرات میں سے کسی جوہر کی ہے؟ کیا وہ عقلی موجودات میں سے ہے یا روحانی موجودات میں سے؟ وہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ضرور کرے گا۔

اگر کہے کہ لوحِ محفوظ وجودِ عقلی رکھتی ہے، تو اس کا یہ جواب غلط ہوگا، کیونکہ "کُلّ شیءٍ"، میں جب عقل، روح اور جسم تینوں کا ذکر ہے، تو مجرّد عقل کی ایسی لوحِ محفوظ تمام

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

چیزوں کی حامل کس طرح ہو سکتی ہے، جب تک کہ اس کی ہستی میں روح اور جسم کی شرکت نہ ہو۔

اگر وہ اپنے جواب میں کسی عظیم روح کو لوحِ محفوظ قرار دے، تو اس صورت میں بھی اس کا جواب درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ عقل اور جسم کے بغیر خالص روح کی لوحِ محفوظ میں صرف روحانی چیزیں ہی ہو سکتی ہیں، مگر کُلّ شَیۡءٍ میں صرف روحانی چیزوں کا ذکر نہیں بلکہ سب چیزوں کا بیان ہے۔

اگر وہ شخص اس طرح جواب دے، کہ لوحِ محفوظ جواہرات میں سے کسی جوہر کی بنی ہے، اور ایسی لوحِ محفوظ کی تاویل کا قائل نہ ہو جائے، تو پھر بھی اس کا جواب غلط ہوگا، کیونکہ جواہرات بغیر روح اور بغیر عقل کے ہوتے ہیں، اور خدا کے نزدیک ان کی کوئی کرامت و فضیلت نہیں، پس کوئی جوہر عقلی اور روحانی چیزوں کا حامل کس طرح ہو سکتا ہے۔

اس بیان سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی، کہ امامِ مبین کے معنی امامِ ظاہر کے ہیں، جن کی مبارک و مقدّس ہستی میں عقل، روح اور درجۂ کمال کے انسانی جسم کی شرکت ہے، جس کے سبب سے امامِ مبین ہر لطیف چیز کے حامل ہیں، اور حقیقت میں لوحِ محفوظ بھی آپ کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔

امامِ مبین کی مبارک و مقدس ہستی میں عقل، روح اور درجۂ کمال کے انسانی جسم کی شرکت ہے۔
لوحِ محفوظ، امامِ مبین کی ذاتِ اقدس ہی ہے۔

علمِ الٰہی کے سلسلے میں علمِ غیب کی کچھ وضاحت بھی ضروری ہے، تاکہ نفسِ مضمون ادھورا نہ رہ جائے، چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۲۶-۲۷/۷۲، غیب کا جاننے والا وہی ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ رسولوں میں سے منتخب کرے۔

یہاں "علٰی غیبہٖ" کے معنی قابلِ غور ہیں، جس کا مطلب ہے "اپنے تمام غیب پر"، پس معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام غیب پر کسی برگزیدہ پیغمبر کو بھی مطلع فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے تمام غیب پر برگزیدہ پیغمبروں کو مطلع فرماتا ہے۔

علمِ الٰہی کے اِس موضوع کے سلسلے میں یہاں تک جو کچھ بیان ہُوا، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ علم کے بارے میں خداوند تعالیٰ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے خاص خاص علوم کے عطیّات سے اپنے برگزیدہ بندوں کو سرفراز فرماتا ہے، یہاں تک کہ علمِ غیب کو بھی اپنے لئے مخصوص نہیں رکھتا، جیسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۳۱/۲ (اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی) سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ خدا خود ہی حضرت آدم علیہ السّلام کا معلّم ہے، اور علم الاسماء کوئی کتابی اور ظاہری علم نہیں، بلکہ یہ غیب ہی کا علم ہے، جس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ملائک بھی نہیں جانتے تھے، پس اللہ نے ابوالبشر کو غیب کا علم عطا کر دیا۔

خداوند تعالیٰ اپنے خاص خاص علوم کے عطیّات سے اپنے برگزیدہ بندوں کو سرفراز فرماتا ہے۔

علم الاسماء کوئی کتابی اور ظاہری علم نہیں بلکہ علمِ غیب ہے۔

علمِ غیب کے بارے میں مزید حقائق کے لئے اِس آیۂ کریمہ میں غور کیا جائے: وعندہ مفاتح الغیب ..... فی کتابٍ مبین ۶/۵۹ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے بحر و بر کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر وہ روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔

خداوند تعالیٰ کا علمِ غیب کتابِ ناطق میں ہے۔

اس فرمانِ الٰہی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا علمِ غیب کتابِ ناطق میں ہے سب چیزوں کی زندہ اور بولتی تصویریں کتابِ مبین (بولنے والی کتاب یعنی) نورِ امامت میں موجود ہیں۔

یاد رہے کہ آسمان و زمین اور ظاہر و باطن کی چیزوں کی پوشیدہ باتوں کا جاننا ہی علمِ غیب کہلاتا ہے، جب ایسا علم ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ اس وقت علمِ غیب نہیں رہتا، بلکہ علمِ ظاہر کہلاتا ہے، مگر اس کی حکمت اور تاویل، جو ظاہر نہیں کی گئی ہو، وہ اب بھی علمِ غیب ہی ہے۔

چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورِ انورؐ کو حکمِ خدا غیب کی کوئی بات بتانے کے بارے میں کنجوسی نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اللہ پاک کا کلامِ حکمت نظام ہے کہ: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۸۱/۲۴ اور وہ (جبرائیل) غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں۔

کتابِ ناطق یعنی قرآنِ ناطق میں علمِ غیب کا خزانہ پنہاں ہونے کے بارے میں ارشاد ہے کہ : وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۲۷/۷۵ اور آسمان و زمین میں کوئی ایسی مخفی چیز نہیں ہے مگر وہ بیان کرنے والی کتاب میں موجود ہے۔ اس بیان کرنے والی کتاب سے نورِ امامت مراد ہے۔

جاننا چاہیئے کہ کتابِ ناطق یعنی امامِ مبین کے نور میں آسمان و زمین کی تمام چیزوں کی ایسی نورانی تصویریں موجود ہیں جو عقل و روح کی رنگینیوں سے بحکمِ صبغۃ اللہ (۲/۱۳۸) بھرپور ہیں، اور خدا کے اذن سے ان میں سے ہر تصویر کائنات و موجودات کی متعلقہ چیز کی مثال پیش کر سکتی ہے اس حقیقت کا نام نورانی تاویل ہے، چنانچہ حضرت یوسفؑ اپنے وقت میں کتابِ مبین کی حیثیت سے تھے، وہ اپنے باطن کی نورانی مثالوں سے کسی بھی مخفی چیز کا حال بتا سکتے تھے چنانچہ انہوں نے ہادیٔ برحق کے علمِ غیب کی طرف توجہ دلانے کے لئے قید خانے میں اپنے دونوں ساتھیوں سے فرمایا کہ : دیکھو جو کھانا تمہارے پاس آتا رہتا ہے، جو کہ تم کو کھانے کے لئے یہاں ملتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے ہی اس کی حقیقت (تاویل) بتلا دیا کرتا ہوں یہ بتلا دینا اس علم کی بدولت ہے جو مجھ کو میرے ربّ نے تعلیم فرمایا ہے ۱۲/۳۷۔

کتابِ مُبین (بیان کرنے والی کتاب) = نورِ امامت

نورِ امامِ مبین میں آسمان و زمین کی تمام چیزوں کی عقل و روح کی رنگینیوں سے بھرپور نورانی تصویریں موجود ہیں۔

علمِ تاویل دو قسم کا ہوتا ہے، ایک نورانی ہے اور دُوسرا کتابی، انبیاء وائمہّ علیہم السّلام کے پاس علمِ تاویل نورانی صورت میں ہوتا ہے، جس کو علمِ لدنّی اور علمِ غیب بھی کہا جاتا ہے۔

علمِ تاویل کی دو قسمیں؛ نورانی اور کتابی۔
علمِ تاویلِ نورانی ہی علمِ لَدُنّی اور علمِ غیب ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۳

ہر گروہ کا قبلہ

قرآن مجید کی ۲/۱۴۸ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۲/۱۴۸ اس آیۂ پُر حکمت کے کئی معنی ہیں، اوّل: اور ہر ایک فرقے کے لئے ایک سمت مقرر ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں، دوم: اور ہر قوم کے لئے ایک شریعت مقرر ہے جس کی طرف وہ متوجہ رہتی ہے، سوم: اور ہر شخص کے لئے ایک دینی استاد ہے، جس کی طرف وہ رجوع کرتا ہے، چہارم: ہر روحانی طالب کا ایک مطلوب ہوا کرتا ہے، وہ اس کی تلاش میں لگے رہتا ہے، پنجم: ہر دینی درجہ کے لئے ایک اوپر کا درجہ ہوا کرتا ہے، وہ اس کا خواہشمند رہتا ہے، ششم: شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں سے ہر منزل کے لئے ایک قبلہ ہوا کرتا ہے، جس کے اہل اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یعنی اہلِ شریعت کا قبلہ خانۂ کعبہ ہے، اہلِ طریقت کا قبلہ پیرو مرشد ہے، اہلِ حقیقت کا قبلہ پیغمبر اور امام ہیں، اور اہلِ معرفت کا قبلہ خدا کا نور ہے۔

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت میں سے ہر منزل کا ایک قبلہ

مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ میں اِس ارشادِ مقدّس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ : پس تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرتے رہو تم جہاں کہیں ہو گے خدا تم سب کو حاضر کرے گا، بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ ۲:۱۴۸

اس آیۂ پاک کی حکمت کے اشارے نہ صرف ادیانِ عالم کی طرف ہیں، بلکہ افرادِ مذاہب کی طرف بھی ہیں، کہ جس طرح ظاہری قبلہ کے بارے میں گروہوں کے حالات مختلف ہیں، اسی طرح باطنی توجّہ کے باب میں بھی افراد کی کیفیت جدا جدا ہے، پس ان مختلف نظریات کو خدا کی توحید کے تصوّر کی طرف مرکوز کر دینے کا راز اِس امر میں مضمر ہے کہ مسلمین و مومنین دوسرے ادیان والوں سے نیکی یعنی اعمالِ صالحہ میں سبقت لے جائیں، اور دنیا بھر میں نیکی کا نمونہ بن جائیں، تاکہ دعوتِ اسلام کا عملی صورت کارفرما ہو سکے، اور اس کے نتیجے میں دنیا والوں کو ضرور احساس ہوگا، کہ اسلام خدا کا آخری دین ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ ؐ خدا کے سچے رسول اور آخری نبی ہیں۔

اجتماعی قبلہ کے بیان میں انفرادی توجہ کا ذکر اس لئے آیا ہے، کہ قرآنِ حکیم میں جو ہدایت جماعتوں کے لئے آئی ہے اس میں افراد کے لئے بھی ہر قسم کی رہنمائی ہے، چنانچہ یہاں نیکی کا جو راستہ قوم کے لئے مفید ہے، وہ ایک فرد کے لئے بھی مفید ہو سکتا ہے، مثلاً ایک شخص کے دل میں

قرآنِ حکیم میں جو ہدایت جماعتوں کے لئے آئی ہے اُس میں افراد کے لئے بھی ہر قسم کی رہنمائی ہے۔

عبادت کے دوران یکسوئی نہیں رہتی ہے اور اس کو طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے کا احساس ہوتا ہے، تو وہ قرآنِ حکیم کی اس حکمت کی روشنی میں محسوس کرے، کہ اس میں نیکی کا مادہ کم ہو رہا ہے، پھر وہ اپنے آپ میں نیکیوں میں سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرے اور عملاً ایسا کر کے دیکھے، پھر اس کے دل میں عبادت کی یکجہتی اور روحانی سکون پیدا ہوگا۔

نیکیوں میں سبقت لے جانے کا جذبہ دل میں عبادت کی یکجہتی اور روحانی سکون پیدا کرتا ہے۔

ISWLS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۴۱

موت کا تجربہ

ہم نے یہاں اس موضوع کو "موت کا تجربہ" کے عنوان سے معنون کیا ہے، لیکن موت کا تجربہ کس نے حاصل کر لیا ہے؟ جبکہ موت کے واقع ہو جانے کے ساتھ ساتھ متوفی کے تمام تجربات بھی ختم ہو جاتے ہیں! ولیکن ہاں، اموات میں ایک ایسی خصوصی موت بھی ہے، جو روحانیت اور ایقان وعرفان کے مشاہدات وتجربات سے بھرپور اور علم وحکمت کے مغز سے مملو ہے، جس کی حقیقت سے آگہی کیلئے آپ موضوعِ ذیل کا بغور مطالعہ کریں:۔

روحانیت اور ایقان وعرفان کے مشاہدات وتجربات سے بھرپور اور علم وحکمت کے مغز سے مملو ایک خصوصی موت۔

چنانچہ قرآنِ کریم کی ۳/۱۸۵ میں موت کا کلیہ اس طرح ارشاد ہوا ہے کہ: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۳/۱۸۵ یعنی ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

موت کے اِس کلیّہ کے بارے میں دو اہم سوال پیدا ہو جاتے ہیں، ایک یہ کہ جب وجودِ انسانی تین چیزوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقل، نفس اور جسم، تو ان تینوں میں سے صرف نفس ہی کو موت کے واقعہ سے کیوں متعلق کیا گیا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ موت واقع ہونے کی

تشبیہہ کسی چیز کے چکھنے کی طرح کیوں دی گئی ہے ؟

اِن میں سے پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ اگرچہ انسان کی ہستی عقل، نفس اور جسم کے مجموعے سے ہے، لیکن حقیقت میں عقل موت سے بالاتر ہے، کیونکہ وہ مرتی نہیں، جیسے فرشتوں کا حال ہے کہ وہ عقل ہیں اور کبھی نہیں مرتے، اس کے برعکس حیوان جو نفس ہے وہ مرجاتا ہے، مگر پتھّر وغیرہ جو جسم ہے وہ نہیں مرتا، اِس سے معلوم ہُوا، کہ موت کا براہِ راست تعلّق نفس کے ساتھ ہے، مگر جسم پر براہِ راست موت واقع نہیں ہوتی، بلکہ نفس کے واسطہ سے ہوتی ہے، یعنی جسم کا جینا اور مرنا نفس ہی کے ذریعے سے ہے، پس یہی وجہ ہے جو قرآنِ حکیم نے اس کلّیہ میں موت کو صرف نفس ہی سے متعلق کر دیا۔

عقل موت سے بالاتر ہے۔

فرشتے عقل ہیں اور وہ کبھی نہیں مرتے۔

موت کا براہِ راست تعلق نفس کے ساتھ ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے، کہ موت کی مثال کسی مادّی چیز کے چکھنے سے اس لئے دی گئی ہے، کہ وہ فی الواقع روحانی نوعیّت کا ایک مزہ ہے، جو زیادہ سے زیادہ شیرین بھی ہے اور انتہائی درجے کا تلخ بھی، اس جواب کا دوسرا پہلو یہ ہے، کہ قرآنِ حکیم نے موت کا تصوّر کسی چیز کے چکھنے کی طرح اس لئے پیش کیا ہے، کہ خصوصی موت اہلِ معرفت کے نزدیک روحانی واقعات اور علمی و عرفانی تجربات کی حامل ہے، جو بموجب: "موتوا قبل ان تموتوا"، طبعی موت سے پہلے ہی عبادت وریاضت کے

موت روحانی نوعیّت کا ایک مزہ ہے۔

نفسانی موت، عبادت وریاضت کے ذریعے بغرضِ معرفت قبول کی جاتی ہے۔

ذریعہ قبول کر لی جاتی ہے، جس کا مقصد معرفت ہے، جس میں روحانی سکون اور ابدی نجات کے اسرار پوشیدہ ہیں، پس نفسانی موت کے عنوان کے تحت حقائق و معارف کے جو معجزات سامنے آتے ہیں، ان کے لحاظ سے یہ حقیقت ہے، کہ موت کی مثال کسی چیز کو چکھ کر اس کے ذائقہ کا تجربہ حاصل کرنے سے دی جائے۔

نفسانی موت میں روحانی سکون اور ابدی نجات کے اسرار پنہاں ہیں۔

نفسانی موت، جو ہادیٔ برحقؑ کی ہدایات کی روشنی میں مخصوص عبادت و ریاضت اور نفس کشی کرنے سے واقع ہوتی ہے، روحانی واقعات و تجربات کا عنوان اس معنی میں ہے، کہ اِس سے معرفتِ ذات کے جملہ ابواب کھل جاتے ہیں، اور اسی طرح یہ اختیاری موت روح اور روحانیت کے حقائق و معارف اور اسرار خداشناسی کے حصول کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

اختیاری موت (نفسانی موت) سے معرفتِ ذات کے جُملہ ابواب مفتوح ہو جاتے ہیں۔

عام اور اضطراری موت سے پہلے انسان پر ایک خاص اور اختیاری یا کہ تجرباتی موت واقع ہونے کے بارے میں قرآنِ کریم کے بہت سے حکیمانہ اِشارات موجود ہیں، جن کی ایک مثال یہ ہے، کہ انسان کے وجود میں نفس یا کہ جان ایک نہیں، بلکہ بے شمار جانیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت ہی عجیب قدرت ہے، کہ انسان کے دل و دماغ کے علاوہ اس کا خَلیہ خَلیہ رُوحوں کا مسکن ہے، اور ان لاتعداد روحوں کی وحدت انسان کی "انا" ہے۔

وجودِ انسانی میں ایک نہیں بلکہ بے شمار جانیں ہیں۔

انسانی وجود سے مختلف موقعوں پر نفوس کا قبض ہونا اور دوسری طرف سے نفوس کا داخل ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی انتہائی عجیب ہے، کہ مختلف موقعوں پر انسانی وجود کے یہ نفوس قبض ہوتے جاتے ہیں، یعنی فرداً فرداً نکل جاتے ہیں، اور دوسری طرف سے نفوس کے داخل ہونے کا سلسلہ بھی جاری ہے، یا یوں کہنا چاہئے، کہ انسان جیتے جی ایک طرف سے مرتا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف سے زندہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا بھی آتا ہے، کہ اس میں وہ پوری طرح سے مر جاتا ہے۔

جزوی موت کی بدولت انسانی نفس اور شخصیت کی اصلاح و تجدید اور تعمیرِ نو۔

مذکورۂ بالا موت کو جزوی موت کے نام سے یاد کرنا چاہئے، اسی جزوی موت کی بدولت ہر وقت انسانی نفس اور شخصیّت کی اصلاح و تجدید اور تعمیرِ نو ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ چالیس دن کے بعد انسان کے نفس اور جسم کا کوئی پُرانا ذرّہ باقی نہیں رہتا، اس حساب سے وہ ہر سال اپنی ہی جگہ پر نُو دفعہ پرانے جسم سے نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان ہر سال نو دفعہ اپنی ہی جگہ پر پُرانے جسم سے نئے جسم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی و بقاء گویا ارواح و نفوس کی ایک ندی ہے، جو ملکوت کے پہاڑوں اور ناسوت کی گھاٹیوں سے آتی ہے اور ہر وقت بہتی رہتی ہے، مگر یہ بات ہے کہ یہ ندی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتی ہے، بعض اوقات صاف و شفاف بہتی ہے اور گاہے بگاہے مکدّر بھی ہو جاتی ہے۔

اس مقام پر مجھے حضرت پیر ناصر خسرو قدس اللہ سرّہ کا ایک شعر یاد آیا، آپ اپنی کتاب روشنائی نامہ میں فرماتے ہیں کہ:

زدنیا تا بعقبیٰ نیست بسیار
ولی در رہ وجودِ تست دیوار

یعنی دنیا اور آخرت کے درمیان کچھ زیادہ مسافت تو نہیں، لیکن تیری ہستی ان دونوں کے درمیان دیوار بنی ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ جب خاص عبادت اور سخت ریاضت سے کسی حقیقی مومن پر اختیاری موت آئے گی، اس وقت اس کی ہستی کی یہ دیوار درمیان سے ہٹائی جائے گی، اور اس صورت میں اس کو قیامت و روحانیت کے واقعات کا تجربہ کرایا جائے گا۔

اختیاری موت میں حقیقی مومن کی ہستی کی دیوار درمیان سے ہٹا کر اُسے قیامت و روحانیت کے واقعات کا تجربہ کرایا جاتا ہے۔

سُبحان اللہ! پیر صاحب کی یہ پُرحکمت مثال اور یہ ارشاد کہ تمہارا اپنا نفسِ امّارہ ہی دنیا اور آخرت کے درمیان دیوار اور پردہ بنا ہُوا ہے، جب تم ہادیٔ برحقؑ کے مقدّس امر و فرمان کے مطابق خصوصی عبادت و ریاضت اور تزکیۂ نفس کے امتحان میں کامیاب ہو جاؤ گے، تو اس وقت تمہاری ہستی و خودی کی کثیف و مکدّر دیوار سامنے سے ہٹادی جائیگی یا صاف شیشے کی بنادی جائیگی یا اسمیں دروازہ بنے گا، پھر تمہیں اس حال میں نہ صرف موت ہی کے عجائبات کا تجربہ حاصل ہوگا بلکہ علمِ قیامت و روحانیت اور معرفتِ الٰہی کے خزانوں کے ابواب بھی ہمیشہ کے لئے کشادہ رہیں گے

نفسِ امّارہ ہی دنیا اور آخرت کے درمیان دیوار اور پردہ ہے۔

اب رہا یہ سوال، کہ آیا موت کے اِس کلیّہ سے کوئی نفس مستثنا بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب خود اس کلیّے میں موجود ہے، کہ کوئی نفس یعنی کوئی فردِ بشر موت کے اس قانون سے باہر نہیں جا سکتا، جبکہ اختیاری موت کے بغیر روحانیت کا کوئی دروازہ نہیں کھل سکتا، جبکہ قرآنی ارشاد کے مطابق نیند میں بھی ایک قسم کی موت پوشیدہ ہے (۳۹/۴۲) اور جبکہ جسمانی موت مومن کی مکمل روحانی آزادی ہے پھر آپ خود اندازہ کریں، کہ حقیقی مومنوں کے لئے موت کس قدر ضروری ہے، پس معلوم ہُوا کہ موت عالمِ روحانیت کا دروازہ ہے، جس سے داخل ہوئے بغیر نہ روحانی ترقی ممکن ہے اور نہ بہشتِ جاودانی میسر ہو سکتی ہے۔

اختیاری موت کے بغیر روحانیت کا کوئی باب مفتوح نہیں ہو سکتا۔

نیند میں بھی ایک قسم کی موت پنہاں ہے۔

موت عالمِ روحانیت کا دروازہ ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۵

ہر چیز سے روحانی ملاقات

قرآن حکیم کے آٹھویں پارے کا سرنامہ اس طرح شروع ہوتا ہے کہ : اور اگر ہم ان پر فرشتے نازل کر دیتے اور مردے ان سے گفتگو کرتے اور سب چیزوں کو ان کے سامنے لاموجود کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے سوائے اس کے کہ اللہ کو منظور ہوتا لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں۔ ۱۱۱/۶

آپ حکمت کے اس اصول کو بھی ہمیشہ کے لئے یاد رکھیں، کہ قرآن حکیم انسان کے سامنے صرف انہی چیزوں کے تصورات پیش کرتا ہے، جو انسان کے لئے ممکنات میں سے ہیں، کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اور اس میں انتہائی صداقت اور عدل کا سرمایہ موجود ہے، چنانچہ اگر فرشتوں، مردوں اور تمام چیزوں کی روحوں سے انسان کی روحانی ملاقات اور گفتگو ناممکن ہوتی، اور اللہ تعالیٰ نے کسی وقت میں بھی مومنوں اور کافروں سے واقعاً ایسے معجزات کا امتحان نہ لیا ہوتا، تو اندران حال اس معجزہ کے تذکرے میں (نعوذ باللہ) نہ صداقت ہوتی، اور

قرآنِ حکیم انسان کے سامنے صرف اُنہی چیزوں کے تصوّرات پیش کرتا ہے جو انسان کے لئے ممکنات میں سے ہیں۔

نہ عدل، پس ظاہر ہُوا، کہ مذکورہ کُلیّہ میں جو کچھ ارشاد ہُوا ہے وہ ایک عملی حقیقت ہے، اور حقیقی مومنوں کے نزدیک کشفِ روحانیت اسی واقعہ کا نام ہے، البتہ خدا کی مصلحت سے بعض دفعہ کافروں پر بھی یہ معجزہ واقع ہوتا ہے، جس کا نام وہاں نزولِ عذاب ہے۔

جو حقیقی مومنین علم الیقین کی مدد سے روحانی ترقی کر کے عین الیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، انہیں روحانیت کی ان حقیقتوں پر باور کرنا پڑے گا، کہ روح ظاہری اور مادی چیزوں کے برعکس ایک معجزاتی جوہر ہے، وہ عالمِ امر کے عجائبات میں سے ہے، جہاں ارادۂ "کُن" سے ہر چیز ظہور میں آتی ہے، اس لئے روح میں تمام علمی عجائبات پیش کرنے کی خاصیّت موجود ہے، یہ ایک یقینی حقیقت ہے، کہ ہر خُدا رسیدہ مومن کی روح کائنات و موجودات کی روحانی صورت اختیار کر کے قیامِ قیامت اور عالمِ آخرت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے، ایسی حالت میں انسان اپنے آپ کو روحوں کے ایک طوفان خیز سمندر کے درمیان پاتا ہے، جو فرشتوں، مُردوں، زندوں، یاجوج وماجوج اور تمام چیزوں کی روحوں کے عنوان سے پیش آتی ہیں، یہاں تک کہ اس میں بیجان چیزوں کی روحیں بھی ہوتی ہیں، مگر یہ بات ضرور یاد رہے کہ روحانیت کے ایسے اعلیٰ تجربات حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

فرشتوں، مردوں اور تمام چیزوں کی روحوں سے روحانی ملاقات۔

روح ایک معجزاتی جوہر ہے جو عالمِ امر کے عجائبات میں سے ہے۔

ہر خدا رسیدہ مومن کی روح کائنات وموجودات کی روحانی صورت اختیار کر کے قیامِ قیامت اور عالمِ آخرت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔

نورِامامت، روحِ القدس اور روحِ مومن کے باہمی تعلق کی ایک مثال۔

اگر یہاں یہ سوال ہو، کہ مومن کی روح اتنا بڑا کام کس طرح انجام دے سکتی ہے؟ اس کا جواب میرے پاس صرف ایک ہی جملے میں ہے، کہ مومن کی روح امام حیّ وحاضر کی حقیقی فرمانبرداری سے یہ عظیم کام مکمّل کر سکتی ہے۔

پھر اگر سوال کیا جائے، کہ نورِ امامت، روح القدس اور مومن کی روح ان تینوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام عالی مقام علیہ السّلام کے نور سے روح القدس جدا نہیں، اور نہ مومن کی روح بغیر روح القدس کے کوئی بڑا کام کر سکتی ہے، ان تینوں روحانی حقیقتوں کے باہمی تعلّق کی مثال سورج، سمندر اور ندی کی طرح ہے، یعنی نورِ امامت سورج ہے، روح القدس سمندر اور مومن کی روح ندی ہے، ندی کا پانی کہاں سے آتا ہے؟ پہاڑوں سے جو برف اور بارش کا حاصل ہے، برف و بارش کا ذریعہ کیا ہے؟ بادل ہیں، جو سمندر سے پیدا ہوتے ہیں، سمندر سے بادل کس طرح پیدا ہوتے ہیں؟ سورج کی گرمی کے سبب سے۔

ندی کا پانی کم بھی ہو سکتا ہے اور اس کے زیادہ ہونے کا بھی امکان ہے، اس میں کمی اس وقت واقع ہوتی ہے جبکہ سورج کا نور اس کے پہاڑوں سے دور ہو، یا بغیر بارش کے بادلوں کے سائے پڑے رہیں، اسی طرح مومن کی روح میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، جو نورِ امامت سے دوری و نزدیکی کے سبب سے ہے۔

جب سورج نزدیک آتا ہے اور آسمان صاف ہو جاتا ہے تو جگہ جگہ ندی پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں، اور اس کے پانی میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے، تاہم یہ سورج کا کوئی بڑا کرشمہ نہیں، ندی کو سورج کا ایک بڑا کرشمہ وہاں نظر آئے گا، جہاں یہ دریا کے ساتھ مل کر سمندر کی وحدت میں مدغم ہو جاتی ہے، کہ کس ہمہ گیر طریق پر بے پناہ سمندر سورج کی حرارت کی گرفت میں ہے، اور سمندر کا ایک عظیم حصّہ، جو ساری دنیا کو سیراب کر کے فاضل دریاؤں کی صورت میں واپس بھی ہو، کسطرح بخارات اور بادلوں کی شکل میں آسمان کی بلندیوں کی طرف اڑتا رہتا ہے۔

چنانچہ ہر حقیقی مومن کی روح کسی نہ کسی درجے میں امامِ زمان ع کا نورانی دیدار تو کر سکتی ہے، اور اس کی روحانیت میں ترقی بھی ہو سکتی ہے، مگر یہ کوئی بڑا دیدار اور کوئی عظیم معجزہ تو نہیں، ہاں، عظیم معجزہ اس مقام پر ہے، جہاں مومن کی روح پیروں اور بزرگوں کے علمی دریا پر سوار ہو کر روح القدس کے سمندر میں مل جاتی ہے، اِس مقام کے بے شمار معجزات میں سے ایک یہ ہے، کہ ہادئ برحق ع کا نور روح القدس کے سمندر سے بے شمار ہدایتی روحیں اطرافِ عالم میں بھیجتا رہتا ہے، اور ہر گروہ، ہر طبقہ، ہر درجہ اور ہر فرد کی بدیہی اور فکری ہدایت اسی نہج پر ہوتی رہتی ہے، امامِ عالی صفات ع کے نورِ اقدس کو اس بات کی کوئی پرواہ ہی نہیں، کہ کوئی گروہ یا کوئی

ہر حقیقی مومن کی روح کسی نہ کسی درجے میں امامِ زمان ع کا نورانی دیدار کر سکتی ہے۔

ہادئ برحق کا نور رُوح القدس کے سمندر سے بے شمار ہدایتی روحیں اطرافِ عالم میں بھیجتا رہتا ہے۔

فرد اس کی عالمگیر ہدایت کا اقرار کرتا ہے یا نہیں، ھاں اس میں یہ فرق ضرور ہے، کہ ہدایت حسبِ مراتب معرفت اور بمطابقِ ضرورت ہوا کرتی ہے، یا یوں کہنا چاہئے، کہ اس میں قبولِ ہدایت کی استطاعت لازمی شرط ہے۔

تمام معجزات کا سرچشمہ روحِ قدسی ہے جو ہادئ برحق کے زیرِ اثر ہے۔

اس بیان کا خلاصہ یہ ہے، کہ تمام معجزات کا سرچشمہ روحِ قدسی ہے جو ہادئ برحق کے نور کے زیرِ اثر ہے، ہر معجزے کا نتیجہ دو طرح سے نکلتا ہے، یعنی اس میں روحوں کی آبادی بھی ہے اور بربادی بھی، اگر کوئی حقیقی مومن فرمانبرداری، عبادت، ریاضت اور علم الیقین سے اپنے آپ کو معجزات برداشت کرنے کے قابل بناتا ہے، اور تدریجی معجزات میں آگے سے آگے بڑھتا جاتا ہے، تو اس کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، اگر ایسا نہیں، بلکہ یکایک کوئی بڑا معجزہ کسی انسان کے سامنے آتا ہے تو یہ باعثِ ہلاکت ہے، ماسوائے اس کے کہ امامِ وقتؑ ایسے حال میں بھی دستگیری کریں۔

کلید نمبر ۶

اِنسی اور جِنّی شیاطین

سورۂ انعام کی ایک سو بارہویں آیت میں انبیاءؑ کے بارے میں ایک کلیّہ مذکور ہے کہ: اور اسی طرح ہم نے انسی اور جنّی شیاطین کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا وہ فریب دینے کی غرض سے چکنی چپڑی باتیں (روحانی طریق پر) ایکدوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں۔ ۶/۱۱۲

شیاطین کی دو قسمیں: اِنسی شیاطین اور جِنّی شیاطین۔

اِس اِرشادِ الٰہی سے اوّل یہ تعلیم ظاہر ہے، کہ شیاطین دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم کے شیاطین انسانوں میں سے ہیں اور دوسری قسم کے شیاطین جنّات میں سے، جو شیاطین انسانوں میں سے ہیں، ان کے متعلّق عام طور پر یہ پتہ نہیں لگتا، کہ وہ واقعی شیاطین ہیں، کیونکہ وہ بظاہر کچھ عجیب شکل وصورت تو نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنی ظاہریت میں بالکل دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہیں، لیکن وہ حقیقت کی نظر میں انسی شیاطین ہیں، مگر یہ ضروری نہیں، کہ وہ خود کو پہچانتے بھی ہوں، کہ وہ ابلیس کے لشکر میں شامل ہو چکے ہیں۔

جو شیاطین جنّات میں سے ہیں، وہ خاص خاص

حالات کے سوا ہمیشہ ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں، کیونکہ وہ ایسے لطیف جسم کے لباس میں ملبوس ہیں کہ وہ نظر ہی نہیں آتا، مگر جب خدا کی مصلحت ہو۔

شیاطینِ جنّی لطیف جسم کے لباس میں ملبوس ہیں۔

اِس فرمانِ الٰہی کی دوسری تعلیم یہ ہے، کہ خدائے علیم وحکیم کی مصلحت وحکمت اسی امر میں پنہان تھی، کہ اِنسی اور جنّی شیاطین کو نہ صرف ہر پیغمبر کا دشمن بنائے بلکہ اس طاغوتی گروہ کو ہر امام کے ساتھ بھی عداوت ہو، تاکہ بنی آدم کی اِس امتحانگاہِ عمل میں ایک طرف ہمیشہ کے لئے رشد وہدایت کے تمام وسائل مہیّا رہیں، اور دُوسری طرف اس کے مقابلے میں ضلالت وگمراہی کے سارے اسباب مکمّل ہوں۔

انبیاء وائمہ کے وسیلے سے رشد وہدایت، اور اِنسی وجنّی شیاطین کے توسط سے ضلالت و گمراہی کے سارے وسائل مہیّا ہیں۔

اِس کلیّہ، حکمت آگین کی تیسری تعلیم یہ ہے، کہ خیر و شر کی اِس دائمی جنگ میں، جو دَورِ آدم سے قیامِ قیامت تک جاری وساری ہے، جس طرح حق وباطل کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے، اس میں نہ صرف شیاطینِ اِنسی وجنی ہی کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں بدی پھیلانے کی غرض سے روحانی طریق پر ایک دوسرے کے دل میں چکنی چپڑی باتیں ڈال سکیں، بلکہ پیغمبرؐ اور امامِ برحقؑ کے علاوہ حجت اور پیر جیسے مراتبِ عالیہ کو بھی اس بات کی امکانیت حاصل ہے، کہ وہ بھی روحانی طور پر ایک دُوسرے سے مخاطبہ کر کے رحمانی طاقت اور نیکی کا ذریعہ بنائیں، اِس بارے

پیغمبرؐ اور امامِ برحقؑ کے ساتھ ساتھ حُجّت اور پیر بھی رُوحانی طور پر ایک دُوسرے سے مخاطبہ کر سکتے ہیں۔

میں کسی عارف نے کیا خوب کہا ہے:۔

از دل حجّت بحضرت رہ بُوَد
او بتائیدِ دلش آگہ بُوَد

یعنی حجّت اور پیر کے دل سے حضرت امام کی ذاتِ اقدس تک روحانی راستہ ہے، اور امامِ زمانؑ اِن کے دل میں تائید و ہدایت القاء کرنے سے غافل نہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۷

آسمانی کتاب میں ہر چیز کی تفصیل

سورۂ انعام کے انیسویں رکوع کے اخیر میں حق سُبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ: پھر ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت کی جو نیکوکاروں کے لئے (ہر طرح سے) مکمل تھی اور ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ اپنے پروردگار کے دیدار پر ایمان لائیں۔ ۶/۱۵۴۔

اِس ارشادِ الٰہی سے یہ حقیقت واضح اور روشن ہو جاتی ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی آسمانی کتاب (توریت) میں اُس دَور کے نیکوکاروں کے لئے دینی اور دنیاوی ہدایات کی کوئی کمی نہیں تھی، اِس میں ہر چیز کا تفصیلی ذکر موجود تھا اور ہر قسم کی ہدایت و رحمت تھی، تاکہ وہ اِن تمام چیزوں کے نتیجے میں اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کریں۔

توریت اُس دور کے نیکوکاروں کے لئے دینی اور دنیاوی ہدایات اور رحمت کا سرچشمہ تھی۔

اب یہ اہلِ دانش کے لئے غور و فکر کا مقام ہے، کہ توریت کے مکمّل و مفصّل ہونے اور اس میں ہر قسم کی ہدایت و رحمت ہونے کے فوائد صرف نیکوکاروں کیلئے کس طرح مخصوص ہو سکتے ہیں، بجُز اس کے کہ وہ حکمت اور تاویل کے بے پایاں خزانے کی حیثیت رکھتی ہو، کیونکہ اگر

اس میں حکمت وتاویل نہ ہوتی، تو وہ عوام وخواص کے لئے یکسان ہوتی، پس ظاہر ہُوا کہ توریت حکمت وتاویل کی صورت میں مکمل، مفصل اور ہدایت ورحمت سے بھرپور تھی، اور یہ بات صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ خدا کی کتاب کے ساتھ ساتھ خدا کی طرف سے معلّم بھی مقرّر ہو، چنانچہ توریت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی، کہ اس کی زندہ رُوح حضرت ہارون علیہ السّلام کی ذاتِ شریف میں موجود تھی، جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے وزیر اور اس زمانے کے امام تھے۔

اب اِس حقیقت کا کوئی واضح ثبوت چاہئے، کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے وزیر تھے، اس لئے توریت کی مقدّس رُوح یعنی زندہ حکمتیں اور بولتی تاویلیں حضرت ہارون علیہ السّلام کی روحانیت میں پوشیدہ تھیں، وہ ثبوت قرآن پاک کے اِس ارشاد مبارک میں ہے کہ:

ولقد اٰتینا موسیٰ الکتٰب وجعلنا معہٗ اخاہ ھارون وزیرا۔ ۲۵/۳۵ بہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون (علیہ السّلام کو ان کا وزیر بنایا تھا۔

اِس فرمانِ خداوندی سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے، کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے کسی اور کام میں وزیر ہوں یا نہ ہوں، مگر سب سے پہلے اور سب سے ضروری طور پر

توریت کی زندہ رُوح حضرت موسیٰؑ کے وزیر اور اُس زمانے کے امام حضرت ہارونؑ کی ذاتِ شریف میں موجود تھی۔

توریت کی مقدس روح زندہ حکمتوں اور بولتی تاویلوں کی صورت میں حضرتِ ہارونؑ کی روحانیت میں پوشیدہ تھی۔

توریت کی روحانی ہدایت اور حکمت وتاویل کے معاملے میں وزیر تھے، کیونکہ آیۂ مبارکہ کے صوری ومعنوی ربط میں کتاب کے ساتھ ساتھ وزیر کا ذکر آیا ہے، اور وزیر کے معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، اس ربط اور اس مناسبت کی دلیل سے توریت کی تنزیل وتاویل کا بارِ گران حضرت ہارون علیہ السلام اٹھا رہے تھے، چونکہ ہر آسمانی کتاب فی الاصل ایک زندہ اور بولنے والی روح کی حیثیت سے ہوتی ہے، بالفاظِ دیگر یہ ایک نور ہوتا ہے، پس یہ روح یا کہ نور جو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں توریت کے اسم سے موسوم تھا، حضرت ہارون علیہ السّلام کے باطن میں پوشیدہ تھا۔

توریت کی تنزیل وتاویل کا بوجھ حضرت ہارونؑ اٹھا رہے تھے۔

جب یہ مانا گیا کہ توریت صرف وہی نہیں تھی، جو ظاہری تحریر کی صورت میں خاموش تھی، بلکہ توریت وہ بھی تھی جو حضرت ہارونؑ کی نورانیت، روحانیت اور جسمانیت میں زندہ اور گویندہ تھی، پس یقین کرنا چاہئے، کہ انہی معنوں میں ارشاد ہوا ہے جو اس موضوع کے آغاز میں درج ہے کہ: پھر ہم نے موسیٰ کو ایسی کتاب عنایت کی جو نیکوکاروں کے لئے (ہر طرح سے) مکمّل تھی اور ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت ورحمت تھی تاکہ اپنے پروردگار کے دیدار پر ایمان لائیں $\frac{6}{154}$۔

توریت کی دو صورتیں: ایک ظاہری تحریر کی صورت میں خاموش اور دوسری حضرتِ ہارونؑ کی نورانیت، روحانیت اور جسمانیت میں زندہ و گویندہ۔

پھر اس کے بعد انہی حقائق سے مربوط ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وھذا کتٰبٌ انزلنٰہُ مُبٰرکٌ فاتّبعوہُ واتّقوا لعلّکم ترحمون ۶/۱۵۵ اور یہ کتاب (قرآن) جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی (کتاب) ہے تو تم اس کی پیروی کرو اور متّقی بنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

چنانچہ " برکت والی کتاب "، کے معنی میں پھر وہی تمام حقیقتیں موجود ہیں جو اوپر توریت کے بارے میں بیان ہوئی ہیں، یعنی قرآن حکیم میں علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی فراوانی اور خیر و برکت کی کثرت اِس طرح سے ہے کہ یہ تنزیل و تاویل کی حکمتوں سے بھر پور اور صلاح و فلاح سے مملو ہے، اور ہادئ برحقؑ کے نورِ اقدس میں اِس کے زندہ حقائق و معارف موجود اور محفوظ ہیں، یہ پاک کتاب اِسی صورت میں " تِبیاناً لِّکُلِّ شیءٍ (۱۶/۸۹) "، یعنی تمام چیزوں کا بیان کرنے والی ہے، پس معلوم ہونا چاہئے کہ آسمانی کتاب حقیقی معلّم کی معیّت میں ہر چیز کا بیان کرنیوالی ہے۔

قرآنِ حکیم کے زندہ حقائق و معارف ہادئ برحق کے نورِ اقدس میں موجود و محفوظ ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۸

ہر شخص کی شناخت

امامیہ کتب میں آنحضرت صلعم اور ائمۂ طاہرین علیہم السّلام کے ارشاد کے حوالے سے مذکور ہے کہ :

وعلی الاعراف رجال یعرفون کلاً بسیماھم (۴۶/۷) کا مطلب یہ ہے کہ معرفت کی بلندیوں پر ایسے مرد ہوں گے، جو سارے لوگوں کو ان کی پیشانیوں سے پہچان لیں گے، وہ مرد جو اعراف کی بلندیوں پر ہوں گے، حضرت مولانا مرتضیٰ علیؑ اور آپ کے فرزندوں میں سے اوصیاء یعنی ائمۂ اطہار علیہم السّلام ہیں (ملاحظہ ہو کتاب دعائم الاسلام جزءِ اوّل عربی صفحہ ۲۵)۔

قیامت کے روز ہر زمانے کا امام اپنے وقت کے ان تمام لوگوں کو جو دنیا میں اُس کو پہچانتے تھے، ان کے چہروں کی نورانیت سے پہچان لے گا۔

جب یہ ایک قرآنی حقیقت ہے، کہ قیامت کے روز ہر زمانے کا امام اپنے وقت کے ان تمام لوگوں کو انکے چہروں کی نورانیت سے پہچان لے گا جو دنیا میں اس کو پہچانتے تھے، تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسیلۂ رحمت و ہدایت کا یہ قانون، یعنی دنیا والوں کے درمیان امام کا حاضر ہونا، نہ صرف پیغمبرِ آخر زمان صلعم کے دَور کے لئے مقرّر ہے، بلکہ شفاعت و نجات کا یہ ذریعہ جملہ انبیائؑ کے ادوار

کے لئے یکسان ہے، پس اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر زمانے کے لوگوں کے درمیان امامِ وقت حاضر اور موجود ہوتا ہے، چنانچہ آیۂ درج ذیل سے اِس حقیقت کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔

ہر زمانے کے لوگوں کے درمیان امامِ وقت حاضر اور موجود ہوتا ہے۔

یوم ندعوا کُلّ اناسٍ بامامھم ۱۷/۱۷۔ جس دن ہم ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ یعنی قیامت کے روز امامِ زمانہ کے بغیر لوگوں کے حق میں شہادت، عدالت، شفاعت اور نجات ممکن نہیں، پس معلوم ہوا، کہ آغازِ عالم سے حضرتِ آدمؑ تک، حضرتِ آدم سے حضرتِ خاتم الانبیاءؐ تک اور آنحضرتؐ سے قیامِ قیامت تک امامت کا پاک سلسلہ قائم و دائم ہے۔

روزِ قیامت امامِ زمانہ کے بغیر لوگوں کے حق میں شہادت، عدالت، شفاعت اور نجات ممکن نہیں۔

"یوم ندعوا کلّ اناسٍ بامامھم" کے یہ معنی بھی درست ہیں کہ خدا قیامت کے دن لوگوں کو ان کے امامِ وقت کے ذریعے سے بلائے گا، کیونکہ ائمۂ ھُدا علیہم السلام خدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں، یعنی خدا کا ہر کام جو امر و فرمان اور ہدایت سے متعلق ہو وہ صاحبِ امر کے توسط سے انجام پاتا ہے اور لوگوں کا ہر کام جو خدا کی اطاعت اور اسکی خوشنودی کے بارے میں ہے وہ امام کے ذریعے سے مکمل ہوتا ہے۔

خدا قیامت کے دن لوگوں کو ان کے امامِ وقت کے ذریعے بلائے گا۔

آیۂ اعراف کی تفسیر و تاویل کے ذیل میں جو حقیقتیں سامنے آئیں، اُن سے ظاہر ہے، کہ امام شناسی ہی سے دونوں جہان کی سعادتمندی اور ابدی نجات کے دروازے

کھُل سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ :۔

اِنّ الّذین کذّبوا بِاٰیتنا واستکبروا عنھا لا تفتّح لھم ابواب السّمآءِ ولا یدخلون الجنّۃ حتّٰی یلج الجمل فی سمّ الخیاط ۚ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے تکبّر کیا ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔ جاننا چاہیئے کہ خدا کی آیات معجزات کے معنی میں بھی اور نشانیوں کے معنی میں بھی ائمۂ اطہار علیہم السّلام ہیں، اور جو لوگ ان حضرات کو نہیں پہچانتے وہ ان سے تکبّر کرتے ہیں، اور لفظ "استکبر" میں دو متضاد معنی پوشیدہ ہیں، یعنی خود کو بڑا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا اور ان دونوں کا موقعِ استعمال ہمجنسیت کا مقام ہے، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آسمانی کتاب اور آفاقی آیات کی نسبت سے تکبّر نہیں ہو سکتا، بلکہ لوگوں کو اپنے ہم جنس انبیاء و ائمہ علیہم السّلام کے بارے میں تکبّر ہوتا رہا ہے، اور ابلیس نے جو تکبّر کیا وہ بھی ایک انسان تھا، جو علم میں مرتبۂ فرشتگی پر فائز ہو چکا تھا، اس نے اپنے ہم جنس بشر حضرت آدم علیہ السّلام کو حقیر سمجھا اور خود کو بزرگ قرار دیا۔

آیاتِ خدا ائمۂ اطہار علیہم السّلام ہیں۔

ابلیس ایک انسان تھا جو علم میں مرتبۂ فرشتگی پر فائز تھا۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں ارشاد

ہُوا ہے، کہ فرشتے اپنے پروردگار کی عبادت سے تکبّر نہیں کرتے ہیں، اس کی تاویل یہ ہے کہ مومنین جو عالمِ معرفت کے فرشتے ہیں امامِ وقت کی فرمانبرداری سے، جو خدا کی عبادت ہے، سرتابی نہیں کرتے، کیونکہ امامِ زمان خدا کا سب سے بڑا نام ہے اور اس کی فرمانبرداری تاویلی زبان میں عبادت ہے۔

امامِ زمان خدا کا اسمِ بزرگ اور اس کی اطاعت تاویلی زبان میں عبادت ہے۔

کلید نمبر ۹

ہر چیز کی مقدار

سورۂ رعد کے دوسرے رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا ہے کہ: وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ (۱۳/۸) اور ہر چیز خدا کے نزدیک ایک مقدار میں ہے۔

اس کلیّہ کا یہ مطلب ہوا، کہ اگرچہ زمان و مکان کی بعض چیزیں انسان کو غیر محدود اور لاانتہا نظر آتی ہیں، مثلاً زمانہ اور کائنات، لیکن خدا کے نزدیک ہر چیز محدود اور ایک مقرّرہ مقدار میں ہے، ہر چند کہ دورِ جدید کے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ کائنات، جس میں لاتعداد سیّاروں اور ستاروں کی دنیائیں موجود ہیں، بے پایان اور غیر محدود ہے، مگر کلیّۂ مذکورۂ بالا کا ارشاد ہے کہ یہ عظیم کائنات بھی اسکی عظمت و وسعت کے باوجود قانونِ قدرت کی ایک معیّن مقدار کے مطابق ہے، اور زمانہ بھی اپنی بے پناہ طوالت کے باوصف ایک محدود مقدار میں ہے۔

ہر چیز حتیٰ کہ زمان و مکان بھی ایک محدود مقدار میں ہے۔

چنانچہ اگر کوئی دانشمند اس کتاب کا چشمِ بصیرت سے مطالعہ کرے تو اس کے ہر کلیّہ سے صاف طور پر

ظاہر ہوگا، کہ اس میں جتنے کلیات درج ہوئے ہیں، وہ سب کے سب ایک دوسرے کی حقیقت پر دلیل ہیں؛ اسی طرح اُن سب سے مذکورۂ بالا حقیقت کی بھی تصدیق و توثیق ہوتی ہے، کہ ہر چیز خدا کے نزدیک ایک معین مقدار میں ہے یعنی ہر چیز خدا کے نزدیک محدود ہے

ہر چیز خدا کے نزدیک محدود اور ایک معیّن مقدار میں ہے۔

جیسا کہ کلید۔ ا۔ میں ذکر ہُوا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، پھر اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے اور ہر چیز خدا کی قدرت میں محدود ہے، یہی مثال خدا کے علم کی بھی ہے جہاں امامِ مبین کے نور میں ہر چیز کے محدود ہونے کا ذکر ہوا ہے۔

اگر ہر چیز خدا کے نزدیک ایک معیّن مقدار میں ہے، تو جاننا چاہئے، کہ یہ حقیقت بھی امام مبین کے احاطۂ نور اور دائرۂ علمی سے باہر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو امامِ مبین کی ذاتِ اقدس میں محدود اور محصور کر دیا ہے۔

اس حقیقت کے بعد یہاں یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ ہر چیز اپنی جگہ پر محدود اور ایک مقرّرہ مقدار میں ہے، تاہم وہ فنا و بقا یا کہ تغیّر و تبدّل کے دائرے پر جو چکر کاٹتی رہتی ہے، اسکے اعتبار سے یہ کہنا درست ہے کہ ہر چیز لامحدود ہے، مثلاً دن رات دونوں محدود تو ہیں مگر ان دونوں کے تغیّر و تبدّل

ہر چیز فنا و بقا کے دائرے پر ہونے کے باعث لامحدود ہے۔

سے وقت کا جو دائرہ بنتا ہے وہ غیر محدود ہے، اِسی طرح اس سے بڑا دائرہ سال کے چکر کا بنتا ہے، اس کے بعد بڑے بڑے زمانوں کے دائرے ہیں اور اخیر میں جا کر اِس کائنات کے مٹ جانے اور پھر وجود میں آنے سے دائرہ بنتا ہے، جو لاانتہا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز اگر ایک اعتبار سے محدود ہے تو دوسرے اعتبار سے غیر محدود ہے، اور یہی قانونِ قدرت کی تعریف ہے، کہ اس میں ابتدائی ولاابتدائی اور انتہائی ولاانتہائی کی سب خوبیاں موجود ہیں۔

قانونِ قدرت میں ابتدائی ولاابتدائی اور انتہائی ولاانتہائی کی سب خوبیاں موجود ہیں۔

قرآن حکیم میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کی گہری حکمتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز ایک محدود مقدار میں ہونے کے باوجود غیر محدود ہے، وہ حقیقت اس طرح سے ہے کہ تمام چیزوں کے جوڑے ہیں یعنی ہر چیز کی ایک ضد یا مقابل ہے، مثلاً دن رات، روشنی و تاریکی، دنیا و آخرت، جسمانیت و روحانیت، ہستی و نیستی وغیرہ، پھر ہر جوڑے کے گھومنے سے ایک دائرہ بنتا ہے، جیسے شب و روز کا گردش کرنا اور ماہ و سال کا بار بار آنا، اسی طرح کائنات کا وجود ایک بہت بڑا دن ہے اور اس کا مٹ جانا ایک بہت بڑی رات ہے، ان دونوں کی بھی ایک گردش ہے، یعنی کائنات و موجودات کے وجود و عدم کا بھی ایک چکر ہے جو تمام دائروں میں سب سے بڑا دائرہ ہے، جس کی

ہر چیز جوڑے میں ہے۔

لاانتہا گردش کے سبب سے ہر محدود چیز لامحدود ہو جاتی ہے، اِن شاءاللہ تعالیٰ ہم کلید-۲۲ میں اِس حقیقت کی مزید وضاحت کریں گے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۱

مومنین کو سب کچھ دیا گیا

سورۂ ابراہیم کے پانچویں رکوع کے اخیر میں ارشاد ہوا ہے کہ: اور جو کچھ تم نے خدا سے مانگا سب تم کو دیا اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو گن نہیں سکتے ہو اس میں تو شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف ناشکرا ہے۔ ۱۴/۳۴۔

اس فرمانِ الٰہی سے ظاہر ہے، کہ حقیقی مومنین نے جسمانیت میں یا روحانیت میں بزبانِ قال یا بزبانِ حال پروردگار سے جو کچھ طلب کیا وہ سب اُس نے انہیں دے رکھا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ چیز کونسی ہے جس میں سب کچھ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی "جامع الجوامع" چیز جس میں تمام چیزیں موجود ہیں امامِ مبین کی معرفت ہے، کیونکہ امامِ مبین کے نورِ اقدس میں سب کچھ ہے۔

امامِ مبین کی معرفت میں تمام چیزیں موجود ہیں۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ جنّت کا طول و عرض بھی کائنات کے طول و عرض کی طرح ہے، جس کا اشارہ عالمگیر روح کی طرف ہے، یعنی عالمگیر روح ہی روحانی جنّت ہے،

عالمگیر رُوح ہی رُوحانی جنّت ہے۔

جس میں سب کچھ ہے، جو امام کی روح یعنی نور ہے، اس سے وہ سوال ختم ہو جاتا ہے کہ سب کچھ بہشت میں ملنا چاہئے یا کہ امام کی روح میں ؟ کیونکہ بہشت، امام کی روح اور اس کی معرفت ایک ہی حقیقت ہے۔

بہشت، روحِ امام اور اُس کی معرفت ایک ہی حقیقت ہے۔

چنانچہ قرآنِ کریم کا یہ ارشاد مذکورۂ بالا مطلب سے جدا نہیں کہ: وَسَخَّرَ لَکُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیعًا مِّنْہُ ۴۵/۱۳ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمہارے لئے مسخّر کر دیا۔

یہ اصول ہمیشہ کے لئے یاد رہے کہ کسی بڑی چیز کے حاصل ہونے سے وہ تمام چھوٹی چھوٹی چیزیں جو اِس سے وابستہ ہیں، خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں، مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو باغ و گلشن دیا گیا تو پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام چیزیں خود بخود مل جاتی ہیں، جو باغ و گلشن میں ہیں، جیسے ہر قسم کے میوے، خوش منظر مقام، آرام دہ سائے، مہکتے ہوئے رنگ برنگ پھول وغیرہ۔

اسی طرح اگر کسی خوش نصیب انسان کو وہ سب سے عظیم خزانہ مل جائے، جس میں اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کی کلیدیں ہیں، تو پھر اِس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے سعادت مند آدمی کو خدائے جلیل و جبار کے سارے خزانے مل گئے، اللہ تعالیٰ کے سب خزانوں کے کلیدی

حیثیت کا خزانہ امامِ مبین کی معرفت ہے، جس کے حصُول سے ہر چیز حاصل ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف کا ارشاد ہے کہ: من کان للّٰہِ کان اللہ لہ ۔یعنی جو شخص خدا کا ہو کر رہے تو خُدا بھی اسی کا ہو کر رہتا ہے، یعنی جو آدمی خدا کے ارشادات کی پیروی کرتے کرتے تن من دھن سے خدا ہی کی ملکیّت بن جاتا ہے، تو پھر نتیجے کے طور پر خدا بھی ایسے شخص کا بے بہا خزانہ بن جاتا ہے، بے شک خدا تعالیٰ خزانۂ مخفی ہے، اور بموجبِ حدیثِ قدسی یہ خزانہ معرفت کے راستے سے مل سکتا ہے، مگر سب جانتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی معرفت کے بغیر خدا کی معرفت ممکن نہیں ہے، اور امامِ وقتؑ کی معرفت کے بغیر پیغمبر کی معرفت ناممکن ہے، پھر وہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ امامِ مبین میں سب کچھ ہے۔

معرفتِ امامِ مُبین اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے کلیدی حیثیت کا خزانہ ہے۔

خدا تعالیٰ خزانۂ مخفی ہے جو معرفت کے راستے سے مل سکتا ہے۔ (مفہومِ حدیثِ قدسی)

قرآنِ مجید کا ارشاد ہے کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۔یعنی ہم خدا کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ایسا کہنے والے کون ہیں؟ صابرین ہی ایسا کہا کرتے ہیں، انہیں یقینِ کامل ہے، کہ وہ خدا کے حضور سے یعنی اس کے نور سے اِس دنیا میں آئے ہیں، اس لئے وہ اِس بات کے اُمیدوار ہیں، کہ وہ یہاں سے واپس جا کر پھر خدا کی وحدت میں مدغم ہو جائیں گے، اُس حال میں ان کو روحانی بادشاہت کی صورت میں سب کچھ دیا ہوا

ہوگا، لیکن یہاں یُوں سوال ہے، کہ آیا کوئی شخص "اطیعوااللّٰہ واطیعواالرّسول واولی الامرمنکم" کے فرمان پر عمل کئے بغیر صابر کہلاسکتا ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، تو پھر ہمارا یہ دعویٰ حق بجانب ہوگا، کہ اسلام اور ایمان کی تمام خوبیاں امامِ مبین سے مل سکتی ہیں۔

اِسلام اور ایمان کی تمام خُوبیاں امامِ مُبین سے مِل سکتی ہیں۔

انبیاء وائمہ علیہم السلام دنیامیں اس لئے آتے ہیں، کہ وہ دنیا والوں کی صحیح ہدایت کریں، تاکہ لوگ صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے چل کر خدا کے حضور پہنچ جائیں، وہ حضرات نہ صرف قولی ہدایت کرتے ہیں، بلکہ ہدایت کی پیروی کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے ہیں اور اس ہدایت پر عمل کرنے سے جو کچھ صلہ ملنے والا ہے، وہ بھی برملا دکھاتے ہیں، وہ صلہ کیا ہے؟ پیغمبر اور امامِ زمان ہیں، جن کے نورِ اقدس میں سب کچھ موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۴۷/۶ اور ان کو اس بہشت میں داخل کرے گا، جس کا انہیں (پہلے سے) شناسا کر رکھا ہے۔

کلید نمبر ۱۱

ہر چیز کے خزانے

قرآنِ حکیم کی ۲۱/۱۵ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو مقرّرہ اندازہ سے نازل کرتے رہتے ہیں۔

ہر چیز کے خزانے امامِ مبین ؑ کے مقدس نور میں ہیں۔

اِس کلیۂ مقدسہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ البتہ مکانی لحاظ سے نہیں، بلکہ فضل وشرف اور علم ومعرفت کے اعتبار سے خداتعالیٰ کی کوئی قربت ونزدیکی ہے، جہاں ہر چیز کے خزانے موجود ہیں اور وہ خزانے اِمامِ مبین کے مقدّس نور میں ہیں، اور اِس حقیقت کی مثال ہم ظاہری سورج سے لے سکتے ہیں، کہ سورج میں اِس عظیم کائنات کے تمام ستاروں اور سیاروں کی تکوینی دولت کے بے پایاں خزانے موجود ہیں، یعنی مادّی قسم کی دولت کے خزانے، کیونکہ نہ صرف ہر ستارہ اور ہر سیارہ بحکمِ خدا سورج کے فعل سے پیدا ہوتا ہے، بلکہ عناصر، پہاڑ، جمادات، معدنیات اور نباتات کے علاوہ حیوانات اور انسان کا جسم بھی سورج کی بدولت مکمّل ہو جاتا ہے، پس اسی طرح عالمِ روحانیت کی تخلیقی دولت کے تمام خزانے

عالمِ روحانیت کی تخلیقی دولت کے تمام خزانے امامِ مُبین کے نورِ اقدس میں موجود ہیں۔

امامِ مبین کے نورِ اقدس میں موجود ہیں۔

سورج کی اِس عمدہ مثال کے بعد یہ بھی ہمارا علمی فرض ہے کہ آپ کو ثابت کر کے بتائیں، کہ سورج کی بے پناہ طاقتوں کی محرّک روح کا سرچشمہ کہاں ہے، چنانچہ مذکورۂ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ ہر چیز کے خزانے خدا کے پاس ہیں، جس کا مطلب بتایا گیا کہ اللہ کے یہ خزانے امامِ مبین کے نور میں موجود ہیں، اب جبکہ امامِ برحق علیہ السّلام کے پاک نور میں خداوند تعالیٰ کے تمام خزانے موجود ہیں، اور پروردگار کے ان خزانوں سے کوئی شئی باہر نہیں، تو معلوم ہُوا کہ آفتابِ عالمتاب کی بے پناہ اور بے پایان طاقت کی محرّک روح بھی امام کے نور کے خزانوں سے جاری و ساری ہے۔

سورج کی بے پناہ اور بے پایان طاقت کی محرک روح بھی امام کے نور کے خزانوں سے جاری وساری ہے۔

اِس حقیقت کی دوسری دلیل یہ ہے، کہ قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو تمام عالموں کے لئے نورِ مطلق اور رحمتِ کُل کی حیثیت سے بھیجا تھا، پھر جب سرورِ عالم ساری کائنات اور سب جہانوں کے حق میں نور اور رحمت تھے، تو لازمی طور پر آنحضرت سورج کے لئے بھی اِسی حیثیت سے تھے، کیونکہ سورج بھی ایک عالم ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضورِ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس سے آفتابِ جہان تاب کو نور کی صورت میں طبعی ہدایت اور رحمت کی حیثیت سے متعلقہ روح ملتی رہتی تھی، پھر آپؐ کے

بعد آپ کے وارث اور جانشین یعنی ائمۂ اطہار علیہم السّلام سلسلہ وار اسی حیثیّت سے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بے بدل عادت اور اس کا اٹل قانون ہے، کہ ہر زمانے میں اسکے نور اور رحمت کا ایک مظہر ہُوا کرتا ہے، خواہ وہ پیغمبر ہو یا کہ امام، پس یہ حقیقت واضح اور روشن ہو کر سامنے آگئی، کہ امامِ مبین کا نور سورج کے مادّی فیوض و برکات کا بھی سرچشمہ ہے۔

خدا کے نور اور رحمت کا ایک مظہر ہر زمانے میں موجود ہوتا ہے۔

کلید نمبر ۱۲

شہد کی مکھی کی مثال

سورۂ نحل کے نویں رکوع میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ: ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۱۶/۶۹ اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پروردگار کے مسخر راستوں میں چلی جا۔

پروردگارِ عالم کا یہ خطاب ظاہر اور تنزیل کے اعتبار سے شہد کی مکھی کے لئے ہے مگر باطن اور تاویل کے لحاظ سے اِس خطاب کا تعلق حجّت اور پیر سے ہے، کہ وہی شخص جو امامِ زمان علیہ السّلام کی جانب سے حجّت، پیر، یا داعی کے لقب سے اور بعض دفعہ کسی اور نام سے بھی مقرّر ہوتا ہے، شہد کی مکھی کا ممثول ہے، اور شہد کی مکھی اسی شخص کی مثال ہے، کیونکہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں اور پھلوں سے رس چوس کر اپنے بطن میں شہد بناتی ہے، اسی طرح امامِ برحق علیہ السّلام کا علمی نمائندہ روحانیت کے پھولوں اور پھلوں سے اپنے باطن میں علمِ تاویل کا شہد تیار کرتا ہے، اس کے لئے علم و حکمت کے راستے ایسے صاف، مسخّر اور آسان ہیں، جیسے شہد کی مکھی

شہد کی مکھی کی تاویل حُجّت، پیر اور داعی ہیں۔

شہد = علمِ تاویل

کے راستے، کہ وہ بڑی آسانی سے ایک پھول سے دوسرے پھول پر اُڑ سکتی ہے۔

شہد کی مکھی جن مختلف پھولوں اور جدا جدا پھلوں سے شہد بناتی ہے ان سب کا ذائقہ مل کر شہد کا ایک ہی مزہ بن جاتا ہے، اور اسمیں دوسرا کوئی ذائقہ باقی نہیں رہتا، اسی طرح حجّت، جس کو امام حیّ و حاضر علیہ السّلام کی روحانی تائید حاصل ہے، مختلف تنزیلات کی ایسی موافق تاویل کر سکتا ہے، کہ وہ عقل کے نزدیک شہد کی طرح خوشگوار اور یقینی ہو جاتی ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔

حجت امامِ حیّ و حاضرؑ کی روحانی تائید سے مختلف تنزیلات کی موافق تاویل کر سکتا ہے۔

آیۂ مذکورۂ بالا میں بصورتِ تنزیل شہد کی مکھی سے فرمایا گیا ہے کہ: "اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے پروردگار کے مسخر رستوں پر چلی جا۔" ہر دانا شخص اِس مقام پر تاویل کی اہمیّت سمجھ سکتا ہے، کہ دنیا میں جہاں کہیں شہد کی مکھیاں ہوتی ہیں، وہاں ہر قسم کے میوے جمع تو نہیں ہوتے اور نہ ہر نوع کے پھول یکجا ہو سکتے ہیں، اس کے علاوہ پروردگار کے رستے باغوں اور جنگلوں میں، جہاں شہد کی مکھیاں ہوں، نہیں پائے جا سکتے، پس اس سے ظاہر ہے، کہ ہم اس آیۂ مبارکہ کی جو تاویل کر رہے ہیں وہ درست اور صحیح ہے، ہر چند کہ اس کی اور بھی تاویلیں ہیں۔

چنانچہ جسمانی اور ظاہری حالت میں یہ بات بالکل

ناممکن ہی ہے کہ دنیا کے کسی ایک مقام پر ہر موسم اور ہر ملک کے تمام پھول اور پھل یکجا موجود ہوں، مگر اس کے برعکس روحانی اور باطنی صورت میں ہر قسم کے پھول اور ہر طرح کے میوے ایک ہی مرکز پر جمع ہو سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا پاک ارشاد ہے کہ:

کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں دلیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۲۸/۵۷ جاننا چاہیئے کہ حرم کی تاویل امامِ زمان ہے، کیونکہ امام ہی خدا کے پاک نور کا حقیقی گھر اور نہاں خانۂ اسرارِ توحید ہیں، جہاں ہر قسم کے روحانی میوے کھنچے چلے آتے ہیں، اور یہ رزق دنیاوی نہیں بلکہ خدا کے حضور سے آتا ہے۔

حرم کی تاویل امامِ زمان ہے جو خدا کے نورِ اقدس کا حقیقی گھر ہیں۔

اِس سے یہ تاویل ظاہر ہوئی کہ مرتبۂ حجّتی پر فائز ہونے والے سے فرمایا جاتا ہے کہ تم اپنے امامِ وقت کے روحانیت میں داخل ہو جاؤ اور تنزیل کے باغات کے پھولوں اور پھلوں کے ہر نمونے سے تاویل کا شہد بناؤ اور اپنے پروردگار کے علم وحکمت کے مسخر رستوں پر چلو پھرو۔

حجّت تنزیل کے باغات کے پھولوں اور پھلوں سے شہدِ تاویل تیار کرتا ہے۔

سورۂ نحل میں شہد کی مکھی کے بارے میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کی مجموعی تاویل یہ ہے کہ: اور آپ کے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی، یعنی آپ کے پروردگا

نے ہونے والے حجّت سے مخاطبہ فرمایا، کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے، یعنی تم سے قبل جو دوسرے حجّت علم کے پہاڑ ہیں ان کے ساتھ روحانی رابطہ رکھو، اور درخت میں بھی گھر بنالے، یعنی حجتوں کے بعد اپنے امام وقت کی معرفت تک رسائی کرو جو امامت کا سدابہار درخت ہے، یعنی شجرۂ طیبہ جو ہر وقت پھل دیتا ہے اور اس چیز میں بھی گھر بنالے جو وہ بلند کرتے ہیں، یعنی امامِ زمان کی معرفت کی روشنی میں حدودِ عُلوی کی حکمتوں سے بھی فیض حاصل کرو، پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھالے، یعنی روحانی اور علمی میووں سے کھالو، پھر اپنے رب کے صاف اور مسخّر رستوں پر چلی جا، یعنی اپنے ربّ کے علم وحکمت کے میدان میں چلو پھرو کہ تمہارے لئے کوئی رکاوٹ اور کوئی الجھن نہیں، اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں یعنی حجّت کے باطن سے گوناگون تاویلات ظاہر ہوتی ہیں، جو روحانی غذا ہے، کہ اس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے، یعنی حجّت کی تادیلات کی بدولت لوگ نادانی اور جہالت کی بیماری سے شفایاب ہوجاتے ہیں، یقیناً اس میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، یعنی جو لوگ عقل ودانش سے غور وفکر کرتے ہیں، وہ اِس حقیقت کو جانتے ہیں، کہ یہ تمام چیزیں، جن کا ذکر ہوا، امامِ برحق ؑ کے روحانی اور علمی معجزات ہیں۔

حُجّت کی تاویلات کی بدولت ہی نادانی و جہالت کی بیماری سے شفا حاصل ہو سکتی ہے۔

کلید نمبر ۱۳

تمام تمثیلات

سورۂ کہف کے آٹھویں رکوع میں ہے کہ:

ولقد صرّفنا فی ھٰذا القرآنِ لِلنّاسِ مِن کُلِّ مَثَلٍ ۱۸/۵۴

اور ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کے لئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

اِس کلیۂ مقدسہ کا واضح مفہوم یہ ہے، کہ پروردگارِ عالم نے قرآنِ حکیم میں ایک ہی حقیقتِ جامعہ کی مثالیں پھیر پھیر کر بیان کر دی ہیں، چنانچہ ہر مثال میں اسی حقیقتِ واحدہ کی ایک گونہ صورت پنہان ہے، اور جہاں مثل الاعلیٰ ہے، وہاں حقیقتِ واحدہ یا کہ حقیقت الحقائق ہے، پھر اِس بیان کے یہ معنی ہوئے، کہ ساری مثالیں مثل الاعلیٰ کی مختلف تفصیلات ہیں اور تمام حقیقتیں حقیقتِ واحدہ کی جُدا جُدا تشریحات ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ساری مثالیں مثلُ الاعلیٰ کی مختلف تفصیلات اور تمام حقیقتیں حقیقتِ واحدہ کی جُدا جُدا تشریحات ہیں۔

چنانچہ مثل الاعلیٰ کے بارے میں خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: ولہ المثل الاعلیٰ فی السّمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم ۳۰/۲۷ اور آسمانوں اور زمین میں بلند ترین مثال اسی کی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آئیہ مُبارکہ سے یہ حقیقت ظاہر ہے، کہ ہر چند کہ باری سبحانہ کی ذاتِ بیچون کی کوئی مثال نہیں، تاہم اُس نے جملہ مثالوں میں سے ایک مثال کو اپنی ذاتِ پاک سے منسوب کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۴۲:۱۱) اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے۔ اور اس کا تاویلی اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی مثال جیسی کوئی شی نہیں، یعنی اس کی ایک اعلیٰ مثال ہے مگر کوئی چیز اُس اعلیٰ مثال کی مثال نہیں بن سکتی، اور یہ تمام اشارے کمثلہٖ میں پوشیدہ ہیں، اس کا مطلب یہ ہُوا کہ مثل الاعلیٰ تمام مثالوں میں سے ارفع و اعلیٰ اس لئے ہے، کہ یہ اپنی تمام معنوی اور تاویلی خوبیوں کی وجہ سے دوسری سب مثالوں سے ممتاز اور مخصوص ہے۔

حق تعالیٰ کی ایک اعلیٰ مثال ہے مگر کوئی چیز اُس اعلیٰ مثال کی مثال نہیں بن سکتی۔

جاننا چاہئے کہ مثل الاعلیٰ کا ذکر سورۂ نور میں کیا گیا ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہٖ کمشکوٰۃٍ فیھا مصباح (۲۴:۳۵) خدا سارے آسمان و زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں ایک روشن چراغ ہو۔

پس وہ مثل الاعلیٰ جو کائنات و موجودات پر حاوی اور محیط ہے، یہی ہے، جس کا ذکر ہُوا، اس کی تمام معنوی

اور تاویلی خوبیوں کو کوئی فردِ بشر ضبطِ تحریر میں نہیں لا سکتا، اور اس کی بنیادی خوبی اس حقیقت میں ہے، جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کہ خدا، رسولؐ اور امامِ مبینؑ کا ایک ہی نور ہے، اور یہی ایک نور جملہ اوصافِ کمالیہ سے موصوف ہے، جبکہ حضرتِ باری تعالیٰ کی ذات ہر صفت سے پاک و منزّہ ہے، جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

خُدا، رسُول اور امامِ مُبینؑ کا نورِ واحد ہی جُملہ اوصافِ کمالیّہ سے موصوف ہے۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۳۷/۱۸۰

آپ کا ربّ جو عزّت کا پروردگار ہے ان تمام اوصاف سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہاں صاف طور پر واضح ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر صفت اور ہر وصف سے پاک و بے نیاز ہے، کیونکہ وہ عزّت کا پروردگار ہے، یعنی حدودِ روحانی و جسمانی کی عزّت کا بلند کرنے والا ہے، یہاں تک کہ عزّت کی بلندی کی انتہا آئے مگر وہ خود ہر صفت سے پاک اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔

مذکورۂ بالا بیان کی روشنی میں اب یہ بتلا دینا آسان ہے، کہ امامِ مبین کا نور کوئی محدود نور نہیں بلکہ وہی مطلق نور ہے وہی مثل الاعلیٰ کا ممثول اور وہی حقیقت الحقائق ہے، اور یہی مقدّس نور انہی معنوں کے ساتھ خدا کا نور کہلاتا ہے، جس میں وہ تمام صفات موجود ہیں، جو خدا تعالیٰ سے منسوب کی جاتی ہیں۔

نورِ امامِ مُبین ہی نورِ مطلق، ممثولِ مثل الاعلیٰ اور حقیقت الحقائق ہے۔

اب جبکہ یہ حقیقت واضح ہو چکی، کہ نورِ مطلق ایک ہی ہے، جس کا حامل ہمیشہ سے امامِ مبین ہے، تو پھر ہم بیان کر دیں گے، کہ ایک ہی حقیقت کی کئی مثالیں یا کئی اعتبارات کس طرح ممکن ہیں، چنانچہ خداوندِ عالم نے آیۂ بیعت میں آنحضرت کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دے لیا ہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے اِس مثال میں اُس فعل کو بھی اپنا لیا ہے، جو حضور اکرمؐ کے مبارک ہاتھ سے مکمل ہُوا تھا، جیسا کہ ارشاد ہے کہ :-

نورِ مطلق کا حامل ہمیشہ سے امامِ مبینؑ ہی ہے۔

یدُ اللہ فوق ایدیھم ۴۸/۱۰ خدا کا ہاتھ انکے ہاتھوں پر ہے۔ یعنی پیغمبر صلعم کا ہاتھ، جس نے مسلمانوں سے بیعت لیا، خدا کا ہاتھ ہے، اور رسولؐ اللہ کے بیعت لینے کا جو فعل ہے، وہ بھی اسی نسبت سے خدا کا فعل ہے، پس آیۂ بیعت کے ان مبارک الفاظ سے نہ صرف یہ معلوم ہُوا، کہ ایک ہی حقیقت کے کئی اعتبارات ہو سکتے ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہُوا، کہ اللہ تعالیٰ انسانِ کامل کے قول و فعل کو اپنا قول و فعل قرار دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانِ کامل کے قول و فعل کو اپنا قول و فعل قرار دے سکتا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ : وما رمیت اذ رمیت ولٰکنّ اللہ رمیٰ ۸/۱۷ اور (اے محمّد) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اس ارشاد میں بھی پھر وہی حقیقت ہے کہ خدا نے انسانِ کامل کے فعل کو اپنا فعل ٹھہرا لیا ہے۔

اس کے بعد آپ اِس حقیقت پر غور کریں، کہ آیا پیغمبرؐ کی مثال مثل الاعلیٰ کے ساتھ مل کر ایک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۳۳/۴۶ -

اور آپ خدا کی طرف بلانے والے ہیں اس کے حکم سے اور روشن چراغ ہیں۔ نیز خدا نے قرآن میں یہ بھی فرمایا، کہ آنحضرتؐ ساری کائنات کے لئے رحمت تھے (۲۱/۱۰۷) اب اگر ہم خدا کے اس روشن چراغ کی وسعتِ روشنی کا تصوّر کائناتی رحمت (رحمۃ للعالمین) کے تقاضے کے مطابق کریں، تو سارے آسمانوں اور زمین میں اسی خدائی چراغ کی روشنی کے سوا اور کوئی روشنی تصوّر میں نہ آئے گی، پس معلوم ہوا، کہ پیغمبر اکرم کی مثال مثل الاعلیٰ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

آنحضرتؐ چراغِ روشن اور ساری کائنات کے لئے رحمت تھے۔

اب امامِ مبین کی مثال سُنیئے، جو ارشاد ہے کہ:
اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دُگنا اجر عطا فرمائے گا، اور تمہارے لئے ایک نور مقرّر کر دے گا، جس کی روشنی میں تم چل سکو گے اور تم کو بخش دے گا ۵۷/۲۸۔ جاننا چاہئے کہ یہاں خدا سے کماحقہ ڈرنے اور رسول محمدؐ پر جیسا کہ چاہئے ایمان لانے میں قرآن اور شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اب رہا اس کے اجر و صلہ کا سوال، جو ظاہر و باطن اور دنیا

اور آخرت میں ملنا چاہیئے، تو وہ اس طرح سے ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے توسط سے مومنین کی ہدایت و رہنمائی کے لئے امام مقرّر کر دے، تاکہ وہ امام کے نور کی روشنی میں چل سکیں۔

خدا و رسولؐ نے مومنین کے لئے جس نور کا تقرّر فرما دیا ہے، اس کے ظاہری معنی تو یہ ہوئے، کہ گروہِ مومنین کے لئے امام مقرّر کر دیا گیا، یہ تو مانا گیا، لیکن اب اس کی تاویل کا سوال ہے، تو بتایئے، کہ اس کی تاویلی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حقیقی مومنین کے لئے خدا و رسولؐ کے نور مقرّر کر دینے کی تاویل یہ ہے، کہ حقیقی محبّت و فرمانبرداری کے نتیجے میں مومنین کے طاقِ دل میں مصباحِ امامت کا نور جلوہ گر ہونے لگتا ہے، پھر "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" کے اصول کے مطابق اس کی علمی و عرفانی روشنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ تمام کائنات و موجودات کو گھیر کر اپنے باطن میں محدود کر لیتا ہے، اسی معنی میں ارشاد ہوا ہے کہ:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۳۶/۱۲۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ایک پوشیدہ امر ہے کہ تم ہر چیز کے لئے امام مبینؑ کی طرف رجوع کرو، پس ثابت ہوا، کہ مثل الاعلیٰ کی تاویل میں خدا، رسولؐ اور امام برحقؑ کا ایک ہی نور ہے۔

حقیقی مومنین کے طاقِ دل میں مصباحِ امامت کا نور صرف حقیقی محبّت و فرمانبرداری کے نتیجے میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔

مثل الاعلیٰ کی تاویل خدا، رسولؐ اور امامِ برحقؑ کا نور واحد ہے۔

کلید نمبر ۱۴

ذوالقرنین

ذوالقرنین کون تھا؟ کیا وہ ایک جہانگیر بادشاہ تھا، یا پیغمبر، یا اپنے وقت کا امام؟ اس سوال کا صحیح جواب نہیں دیا جا سکتا، جب تک کہ اس کے بارے میں ان قرآنی حقائق کا انکشاف نہ ہو، جو ذوالقرنین کے قصے میں ہیں۔

ذوالقرنین کون تھا؟ بادشاہ، پیغمبر یا اپنے وقت کا امام؟

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ط قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۱۸ / ۸۳ - ۸۵۔

(اے محمدؐ) وہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہدیجئے کہ میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ بیان کر دیتا ہوں۔ بے شک ہم نے اسکو زمین (روحانیت) میں قدرت دی تھی اور ہم نے اسکو ہر چیز کا سبب (رستہ) دیا تھا پس وہ ایک رستہ پر ہو لیا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ مبارک دانشمند مومنوں کو اس بات کی دعوت دیتا ہے، کہ وہ غور و فکر سے اس کی معنوی گہرائیوں تک رسا ہو کر اس کی حقیقتوں کو حاصل

کرلیں، چنانچہ " وَاٰتَیْنٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَباً "، کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو آسمان و زمین اور ظاہر و باطن کی سب چیزوں کے وسائل و ذرائع مہیا کر دیتے تھے، پس حقیقی مومنوں کے نزدیک اِس فرمانِ الٰہی کا مطلب بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ " وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ " کا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو آسمان و زمین اور ظاہر و باطن کی سب چیزوں کے وسائل مہیا کر دیئے تھے۔

جس طرح کہ اِس کتاب کے تمام موضوعات میں ایسی قرآنی آیات سے بحث کی گئی ہے، جن میں لفظ " کُلّ " آیا ہے، اور ایسی آیات کو جو کلیات میں سے ہیں بطورِ ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ ان میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ ظاہری اور باطنی قسم کی ساری چیزوں کے بارے میں ہے، اسی طرح آیۂ مذکورہ بالا میں " کُلِّ شَیْءٍ " سے روحانیت اور جسمانیت کی تمام چیزیں مراد ہیں۔

کُلِّ شَیْءٍ = روحانیت و جسمانیت کی تمام چیزیں۔

یہاں اس حقیقت کی ایک اور مثال خود قرآنِ حکیم سے یہ ہے کہ: اَمْ لَھُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۳۸-۱۰ کیا ان کو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں ان کی بادشاہی حاصل ہے (اگر ایسا ہے) تو ان کو چاہیئے کہ سیڑھیوں سے آسمان پر چڑھ جائیں۔

جاننا چاہیئے کہ یہ مثال ظاہر اور باطن میں غیر امکانیت

اور امکانیت کے دو معنی رکھتی ہے، اور اس کی امکانیت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ جن حضرات کو چاہے آسمانوں اور زمین کی روحانی بادشاہی عطا کرتا ہے، اور جن اسباب سے کائنات کی روحانی سلطنت مل سکتی ہے، وہ اسباب گویا آسمانوں اور زمین کی کلیدیں ہیں، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: له مقاليد السّمٰوٰت والارض ط والّذين كفروا باٰيٰت اللّٰه اولٰئك هو الخسرون۔ ۳۹/۶۳ اور اسی کے اختیار میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں ہیں، جاننا چاہیئے کہ کسی مکان کا دروازہ، قفل اور کلید اس لئے ہوتی ہے کہ مالک جن کو چاہے اپنے مکان میں داخل کر دے اور جن کو نہ چاہے داخل نہ ہونے دے

آسمانوں اور زمین کی کلیدیں۔

چنانچہ قرآن پاک کی ۶/۷۵ میں ہے کہ: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے تاکہ وہ اہلِ یقین میں سے ہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی روحانی بادشاہی دیکھنے کی کنجیاں عنایت فرمائی تھیں، یا یوں کہنا چاہیئے، کہ خدا نے اسے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کے اسباب یعنی رستے بتا دیئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی روحانی بادشاہی دیکھنے کی کنجیاں عنایت فرمائی تھیں۔

پس یہی مثال حضرت ذوالقرنین کی بھی ہے، کہ ان کو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کے باطنی رستے بتائے

گئے تھے، کیونکہ ذوالقرنین اپنے وقت کے امام تھے۔

قرآن حکیم میں حضرت ذوالقرنین کا مختصر قصہ ہے وہ دراصل تاویل طلب ہے مثلاً وہ سورج ڈوبنے کی جگہ پر پہنچ گئے جہاں سورج ایک کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا تھا، اس سے صاف طور پر ظاہر ہے، کہ یہ سورج مادی اور دنیاوی سورج نہیں تھا، بلکہ یہ روحانی اور دینی سورج تھا جسے دوسرے الفاظ میں نورِ توحید کہا جاتا ہے، اور کیچڑ کے چشمے سے دو اصلِ جسمانی مراد ہیں، جو روحانی مغرب ہیں، یعنی ناطق اور اساس، جیسے تخلیقِ آدم کے بارے میں ارشاد ہے کہ ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمإٍ مسنون ۱۵/۲۶ اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا۔ اور مشرق کی تاویل عقلِ کُل اور نفسِ کُل ہیں جہاں سے نورِ توحید طلوع ہو کر ناطق اور اساس میں غروب ہو جاتا ہے۔

نورِ توحید روحانی مشرق یعنی عقلِ کُل و نفسِ کُل سے طلوع ہو کر روحانی مغرب یعنی ناطق اور اساس میں غروب ہو جاتا ہے۔

کتاب "الامامۃ فی الاسلام" کے صفحہ ۱۴۸ سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت ذوالقرنین علیہ السّلام دَورِ نوحؑ کے سلسلۂ ائمۂ مستقر میں سے ہیں چنانچہ آپؑ کا شجرۂ نسب یہ ہے : ذوالقرنین بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفکشاد بن سام بن نوح، یعنی آپ حضرت نوحؑ سے ساتویں پشت ہیں۔

حضرت ذوالقرنینؑ حضرتِ نوح سے ساتویں پشت میں امامِ مستقر تھے۔

مذکورہ بالا حقائق سے ظاہر ہوا، کہ حضرت ذوالقرنینؑ اپنے وقت کے امام تھے اور ان کے مشرق و مغرب کے سفر

کا سارا قصہ روحانی اور تاویلی ہے۔

نیز حضورِ اکرم صلعم کے ایک مبارک ارشاد سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت ذوالقرنینؑ امام تھے، چنانچہ آنحضرتؐ نے مولانا علیؑ سے فرمایا کہ:

یا علی اِنَّ لَکَ کَنْزاً مِنَ الْجَنَّۃِ وَاِنَّکَ لَذُوْ قَرْنَیْہَا۔

یعنی (یا علی) جنّت میں آپ کے لئے ایک مکان مخصوص ہے اور آپ اِس اُمّت کے ذوالقرنین ہیں۔ سبحان اللہ ارشادِ نبوی کی معنوی شان کس قدر بلند ہے، کہ اِس مبارک حدیث میں امام شناسی کے جملہ اسرار موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اگر علیؑ ذوالقرنین کی طرح ہیں تو ذوالقرنین بھی علی کی طرح ہیں، پس اگر علی امام ہیں تو ذوالقرنین بھی اپنے وقت کے امام تھے، دوسرا یہ کہ قرآن کے تاویلی قصّے میں جو تعریف و توصیف ذوالقرنین کے متعلّق ہے، اس کا تعلّق علیؑ سے بھی ہے، جبکہ علی ذوالقرنین کے ہمصفت ہیں، تیسرا یہ کہ جب تک دنیا میں آنحضرت کی اُمّت ہے، تب تک علی بھی انہی اوصاف کے ساتھ جو مذکور ہوئے حاضر اور موجود ہیں، کیونکہ آنحضرتؐ نے مذکورہ ارشاد میں اِس امت کے درمیان ایک ذوالقرنین کا مبارک وجود لازمی قرار دیدیا ہے۔

حضرتِ علیؑ اس اُمت کے ذوالقرنین ہیں۔ (مفہومِ حدیثِ نبوی)

جب تک دنیا میں آنحضرتؐ کی اُمت ہے تب تک علیؑ بھی حاضر اور موجود ہیں۔

کلید نمبر ۱۵

یاجوج وماجوج

یاجوج وماجوج کے بارے میں ظاہری کتابوں میں مختلف قسم کی روایتیں پائی جاتی ہیں، جن کی کثرتِ اختلاف کے سبب سے حقیقت پر جو پردہ پڑا ہے، اس کا ہٹانا کوئی آسان بات نہیں ہے، لیکن امامِ زمانؑ (جو خدا اور رسولؐ کی طرف سے ہادیٔ برحق ہیں) کی دستگیری اور تائید کے اعتماد پر اس موضوع کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں یاجوج وماجوج کا تذکرہ بطریقِ اجمال دو دفعہ آیا ہے، جو سورۂ کہف میں حضرت ذوالقرنینؑ کے قصّے کے سلسلے ($\frac{۱۸}{۹۱-۹۸}$) میں ہے اور سورۂ انبیاءؑ ($\frac{۲۱}{۹۵-۹۷}$) میں ہے۔

خلائقِ عالم کی روحیں تین قسموں میں منقسم ہیں:
۱۔ اہلِ دنیا کی روحیں (یاجوج وماجوج)
۲۔ اہلِ ادیان کی روحیں
۳۔ اہلِ اللہ کی روحیں

چنانچہ امامِ وقت کی حیثیت سے حضرت ذوالقرنینؑ پر عالمِ روحانی کے تمام دروازے کھلے ہوئے تھے، انہوں نے اپنی نورانیت میں تمام خلائقِ عالم کی روحوں کا مشاہدہ کیا، یہ روحیں تین قسموں میں تھیں، یعنی اہلِ دنیا کی روحیں جنکا دُوسرا نام یاجوج وماجوج ہے، اہلِ ادیان کی روحیں اور اہلِ اللہ کی روحیں، پس حکمت کا تقاضا یہ تھا، کہ سب سے

پہلے دین والوں کی روحوں کا مشاہدہ ہو، چنانچہ ذوالقرنینؑ نے ایسی قوم کو نورِ ہدایت کے مغرب میں دیکھا، اُن میں بھلائی اور برائی دونوں کی صلاحیت موجود تھی، اس کے بعد آپ روحانیت کے مشرق میں پہنچ گئے، جہاں ان کے مشاہدے میں ایسی روحیں آگئیں، جن پر ہر وقت نورِ ہدایت کا سورج بلاواسطہ طلوع ہوتا رہتا تھا، یہ اہل اللہ کی روحیں تھیں، جن میں سوائے نیکی کے کچھ بھی نہیں تھا، آخیر میں حضرت ذوالقرنین علیہ السّلام روحانیت کے ایسے مقام پر پہنچے، جہاں خلیفۂ خدا یعنی پیغمبرؐ اور امامؑ کے لئے ممکن ہوتا ہے، کہ وہ اہلِ دنیا کی روحوں کے شر و فساد سے مومنوں کو محفوظ رکھیں، جس میں مومنین پر بھی انتہائی حدّ کی فرمانبرداری کا فریضہ واجب ہوتا ہے۔

حضرت ذوالقرنینؑ کو نورِ ہدایت کے مغرب میں اہلِ ادیان کی روحوں کا مشاہدہ ہوا۔

روحانیت کے مشرق میں حضرت ذوالقرنینؑ کو اہلِ اللہ کی روحوں کا مشاہدہ ہوا۔

چنانچہ اہلِ دنیا کی روحوں یعنی یاجوج و ماجوج کے شرّ و فساد سے بچنے کے لئے اس وقت کے مومنین نے حضرت ذوالقرنین سے یعنی امامِ وقت سے درخواست کی، پس آپ کے علمِ روحانی اور مریدوں کے عملِ جسمانی سے حفظ و امان کی ایک مضبوط روحانی دیوار یاجوج و ماجوج کے سامنے کھڑی کر دی گئی، جس کے اوپر سے وہ چڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے، ذوالقرنین نے فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کی ایک رحمت و مہربانی ہے پھر جب میرے پروردگار کا وعدۂ قیامت آئے گا اس کو ریزہ ریزہ کر

امامِ وقت کا مومنین کو اہلِ دنیا کی روحوں یعنی یاجوج و ماجوج کے شرّ و فساد سے بچانا۔

دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچ ہے۔

اس کے بعد قرآنِ حکیم کا یہ واضح اشارہ ہے، کہ دَورِ قیامت یعنی دورِ روحانیت کے آغاز میں یاجوج و ماجوج (یعنی اہل دنیا کی روحوں) کو کچھ وقت کے لئے موقع دیا جائے گا، جس میں بعض روحیں جسمانی طریق پر اور بعض روحانی طور پر شر و فساد میں مصروف ہوں گی، پھر ایک زمانے کے بعد صور پھونکا جاوے گا، جس کی بدولت خلائقِ عالم کی جملہ ارواح ایک ہی ملّی وحدت کے رشتے میں منسلک ہو جائیں گی۔

دورِ روحانیت کے آغاز میں اہلِ دنیا کی روحیں کچھ وقت کے لئے جسمانی طریق پر اور روحانی طور پر شر و فساد میں مصروف ہوں گی۔

قرآنِ مجید کے دُوسرے مقام پر یاجوج و ماجوج کا بیان اس طرح آیا ہے کہ: اور ہم جس بستی کو ہلاک کر چکے ہیں اس کے لئے ممانعت ہے کہ وہ رجوع کرے (یعنی جو لوگ عذابِ الٰہی سے روحانی طور پر ہلاک ہوئے ہیں ان کی روحوں کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ لوٹ کر پھر دنیا میں آئیں) یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوں گے ۲۱ / ۹۵-۹۶

یاد رہے کہ ہر بلندی کا مطلب یہاں ہر حقیقی مومن کی رُوحانیت ہے جو دنیا والوں سے بلند تر ہے، کیونکہ حضرت اسرافیل ؑ حقیقی مومنوں کی رُوحانیت میں سے صور پھونکے گا، اس لئے یاجوج و ماجوج اور دوسری تمام روحیں صور کی آواز کی طرف دوڑیں گی، جہاں سے وہ پھر دنیا میں منتشر ہو جائیں

گی، جیساکہ قولِ قرآن ہے کہ :۔

ونفخ فی الصّور فاِذاھم من الاجداث الیٰ ربّھم ینسلون ۳۶/۵۱ پھر جب صور پھونکا جائے وہ یکایک قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف دوڑنے لگیں گے۔ یعنی تمام روحیں جو انسانی جسم کی قبروں میں مدفون ہیں، وہ وہاں سے بحکمِ خدا اُٹھ کر صورِ اسرافیل کے پاس، جو حقیقی مومنین میں ہے، جمع ہوجائیں گی، جہاں ان کے پروردگار کا نور اسمِ اعظم کی صورت میں موجود ہے۔

صورِ اسرافیل کے زیرِ اثر انسانی جسم کی قبروں میں مدفون روحیں حقیقی مومنین میں جمع ہوجائیں گی۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۱۶

ہر چیز کی خلقت و ہدایت

قرآنِ مقدّس کی ۲۰/۵۰ میں فرمایا گیا ہے کہ: قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی (۲۰/۵۰) (موسیٰ نے) کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت (یعنی مادّی شکل وصورت) بخشی پھر راہ دکھائی۔

اِس کلیّۂ مقدسہ کی ان گنت حکمتوں میں سے جو باتیں قابلِ فہم ہیں ان کی یہاں وضاحت کی جاتی ہے، اوّل یہ کہ یہ آیتِ پاک حکمت کی زبان میں فرما رہی ہے، کہ ہر چیز عالمِ امر یعنی عالمِ روحانی میں ازلی وابدی طور پر موجود ہے، جس کا وجود و صورت محض عقلی اور روحانی کیفیت میں ہے۔

ہر چیز عالمِ امر (عالمِ روحانی) میں عقلی وروحانی کیفیت میں ازلی وابدی طور پر موجود ہے۔

دوم یہ کہ عالمِ امر کی حقیقتیں اشیاء کہلاتی ہیں یعنی چیزیں، بلکہ چیزیں دراصل وہی ہیں، کیونکہ دنیا کی ہر مادّی چیز آخرت کی اصلی چیز کا سایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "کُلّ شَیۡءٍ" میں بحقیقت عالمِ امر کی چیزوں کا ذکر ہے، ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ جہاں کُلّ شَیۡءٍ کا ذکر ہے وہاں تمام چیزوں کے سائے بھی شامل ہیں۔

دُنیا کی ہر مادّی چیز آخرت کی اصلی چیز کا سایہ ہے۔

سوم یہ کہ ہر چیز عالمِ امر میں ہمیشہ کے لئے

موجود ہے ساتھ ہی ساتھ اس کو عالمِ خلق میں بھی ایک مادی وجود دیا جاتا ہے، یہ ہُوا خدا کی طرف سے ہر چیز کو خلقت بخشنا، درحالیکہ چیزوں کا مادّی وجود یعنی خلقی صوُرت بار بار مٹائی جاتی ہے اور بار بار بنائی جاتی ہے، جبکہ اشیائ کی امری صوُرت لافانی ہے۔

چہارم یہ کہ ہر چیز، جو بیک وقت دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی، اس کو اس کی ضرورت کے مطابق ہدایت دی گئی ہے یعنی راہ دکھائی گئی ہے، اور دونوں جہان کی اس ہمہ گیر و ہمہ رس ہدایت کا سرچشمہ خدا کا نور ہے، جیسے ارشاد ہُوا ہے کہ:-

دونوں جہان کی ہمہ گیر و ہمہ رس ہدایت کا سرچشمہ نورِ خدا ہی ہے۔

اللہ نُورُالسّمٰوٰت والارض (۳۵:۲۴) جس کا مفہوم ہے کہ خدا کائنات کے ظاہر و باطن کی ہر چیز کے لئے ہدایت کا نور ہے، مگر جیسا کہ بتایا گیا، کہ ہدایت موجودات و مخلوقات کے درجات کے مطابق کارفرما ہوتی ہے۔

اب یہاں ہمیں عالمِ خلقی کی چیزوں کی ہدایت کے بارے میں کچھ مختصر بیان کرنا چاہئے، چنانچہ خدا کے اُس نورِ مطلق کی طرف سے، جس کی معرفت کے موضوعات پر یہ کتاب لکھی گئی ہے، سب سے پہلی ہدایت آسمانوں، سیاروں اور ستاروں کو حاصل ہے، جس کی بدولت وہ نہ صرف وجود میں آئے، بلکہ اسی نورانی ہدایت کے بل بوتے پر وہ اپنے اپنے محدود دائروں میں گردش کرتے ہوئے مصروفِ عمل بھی ہیں۔

نورِ ہدایت سے سب سے پہلی ہدایت آسمانوں، سیاروں اور ستاروں کو حاصل ہے۔

دوسری ہدایت عناصرِ اربعہ کو ملی ہے، جو گرمی، سردی، خشکی اور تری کی طبعی کیفیت میں پنہان ہے، تیسرے درجے کی ہدایت موالیدِ ثلاثہ کو حاصل ہے، جو جمادات، نباتات اور حیوانات ہیں، اور ہدایت ان کے مختلف طبقات کے مطابق ہے، مثال کے طور پر جمادات کی ہدایت بھی ان کی طبعی کیفیت میں پوشیدہ ہے، نباتات کی ہدایت روحِ نامیہ کی قوتوں کی صورت میں ہے، حیوانات کی ہدایت روحِ حسّی یعنی روحِ حیوانی کی حیثیت میں ہے اور انسانوں کی ہدایت روحِ ناطقہ کی شعوری طاقتوں کے توسّط سے ہے۔

نورِ ہدایت سے دوسری ہدایت عناصرِ اربعہ کو اور تیسرے درجے کی ہدایت موالیدِ ثلاثہ کو حاصل ہے۔

چونکہ روحِ ناطقہ یا کہ انسانی روح اگر ایک طرف سے حیوانی روح سے متّصل ہے، تو دوسری طرف سے مَلَکی قوتوں سے بھی ملی ہوئی ہے، اس لئے انسانیت کے غیر معمولی وسیع دائرے میں مختلف نظریات کے بہت سے گروہ اور جُدا جُدا عادات کے بے شمار افراد داخل ہیں، پس یہ امر لازمی ہُوا، کہ نورِ الٰہی کی طرف سے انسانوں کے لئے جس ہدایت کی ضرورت تھی، وہ لوگوں کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق درجہ بدرجہ حاصل ہوتی رہے اور امرِ واقعی ایسا ہی ہے۔

روحِ ناطقہ (انسانی روح) ایک طرف سے روحِ حیوانی سے تو دُوسری طرف سے مَلَکی قوتوں سے متّصل ہے۔

جب یہ بات حق ہے، کہ نورِ الٰہی کی جانب سے بنی آدم کے لئے جو ہدایت آتی ہے، اس کے بھی مختلف درجات ہوا کرتے ہیں، تو پھر اس بات کی تحقیق ضروری ہے، کہ

ہدایت کا سب سے اعلیٰ درجہ کونسا ہے، اس کے بارے میں جب ہم قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے، کہ سب سے اونچی ہدایت عرفانی ہدایت ہے، جو امامِ مبینؑ کی حقیقی معرفت اور نورِ ہدایت کی انتہائی قربت کا مرتبہ ہے۔

سب سے اعلیٰ درجے کی ہدایت عرفانی ہدایت ہے جو امامِ مبینؑ کی حقیقی معرفت کا مرتبہ ہے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۱۷

ہر چیز کا فنا ہو جانا

سورۂ قصص کے اخیر میں ہے کہ: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝٨٨۔ یعنی اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

وجہ اللہ کی تاویل امامِ زمان ہیں۔

وجہ اللہ کے لفظی معنی ہیں خدا کا چہرہ، اور اس کا تاویلی اشارہ امامِ زمان کی طرف ہے، جیسا کہ مولانا علیؑ کا مبارک فرمان ہے کہ: انا واللہ وجہ اللہ، یعنی میں خدا کی قسم خدا کا چہرہ ہوں، نیز رسولؐ اللہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: من رأنی فقد رأی الحق، یعنی جس شخص نے مجھ کو دیکھا، اس نے خدا کو دیکھا۔

حق تعالیٰ نے نبوّت و امامت کے نور کو اپنی روح قرار دیا ہے۔

جب اِس بات میں کوئی تعجّب نہیں، کہ حق تعالیٰ نے نبوّت و امامت کے نور کو اپنی روح قرار دیدیا ہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ خدا نے اپنی روح آدم علیہ السّلام میں پھونک دی، اور حضرت مریم علیہا السّلام کے قرآنی قصّے میں دیکھئے کہ اللہ نے روح القدس کو اپنی روح ٹھہرا لیا ہے، تو پھر اِس امر میں کیا تعجّب ہے، کہ خدا تعالیٰ امامِ

امام کا دیدار خدا کا دیدار اور امام کی معرفت خدا کی معرفت ہے۔

زمان علیہ السّلام کو اپنا چہرہ قرار دے، اس معنی ہیں کہ امام کا دیدار خدا کا دیدار ہے اور امام کی معرفت خدا کی معرفت ہے، جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السّلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ:۔

حضرت مولانا مرتضیٰ علیؑ کا عالی شان ارشاد

اناوجہ اللہ ، اناجنب اللہ ، انا ید اللہ ، اناعین اللہ ، انا القرآن النّاطق وانا البرُھان الصّادق وانا اللوح المحفوظ وانا القلم الاعلیٰ انا الٓمّٓ ۔ ذالك الکتٰب ۔ انا کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ انا طٰہٰ انا حاء الحوامیم وانا طاء الطواسین۔ انا الممدوح فی ھل اتیٰ ۔ وانا النّقطۃُ تحتِ الباء۔

میں خدا کا چہرہ ہوں، میری طرف متوجہ ہونا خدا کی طرف رخ کرنا ہے، میں ہی جنب اللہ ہوں، مجھ تک پہنچنا خدا کے پہلو میں بیٹھنا ہے، اور منتہائے قرب پر پہنچنا ہے، میں ید اللہ یعنی دستِ خدا ہوں، جو کچھ وہ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے، میرے ہاتھ سے ہوتا ہے، اور میں کرتا ہوں اس کا کہلاتا ہے، میں عین اللہ ہوں، اس کی آنکھ سے عالم کو دیکھتا ہوں اور دنیا میرے لئے ایسی ہے جیسے کہ آنکھ میں تل، میں قرآنِ ناطق اور برہانِ صادق ہوں، میرا وجود حق اور دلیلِ وجود حق ہے، میں حاملِ اسرارِ الٰہی لوحِ محفوظ ہوں، میں ہی قلمِ اعلیٰ ہوں، جو کچھ صفحاتِ عالمِ امکان پر قدرت نے رقم کیا ہے وہ مجھ

سے رقم کیا ہے، میں الٓمٓ۔ ذالک الکتاب ہوں، کتابِ فعلی اور کتابِ قولی دونوں میرا وجودِ حقیقی ہیں، میں ہی کھیٰعٓصٓ ہوں، اور میں ہی طٰہٰ، میں ہی مبداءِ حوامیم ہوں، اور میں ہی راسِ طواسین۔ میں ممدوحِ ہل اتیٰ ہوں اور میں نقطۂ تحتِ باء ہوں، جس میں کل کتاب جمع ہے۔ (کوکبِ دُرّی)

جب خدا کے لئے یہ کوئی عجیب کام نہیں کہ اُس نے آنحضرت صلعم کے دستِ مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دے دیا ہے حالانکہ خدا کوئی بشر تو نہیں کہ اس کا ہاتھ ہو، تو یہ امر بھی عجیب نہیں کہ امامِ برحقؑ کو اپنا چہرہ قرار دے، اِس معنی میں کہ امام خدا کا نور ہے۔

خُدا کی پنڈلی

قرآنِ حکیم میں خدا کی پنڈلی کا ذکر آیا ہے ($\frac{68}{42}$)۔ اگرچہ خدائے پاک اعضاء و جوارح سے مُبرّا و منزّہ ہے، جب مثال اور تاویل کے لئے یہ بات درست ہے تو یہ بھی حق ہے کہ امامِ زمان خدا کا چہرہ ہیں، کیونکہ امام کے تصوّر میں خدا کی معرفت کے اسرار پنہان ہیں۔

جنب اللہ (خدا کا پہلو) بھی امامِ حیّ و حاضر ہی ہے۔

قرآنِ پاک کی $\frac{39}{56}$ میں لفظی طور پر جنب اللہ (خدا کا پہلو) مذکور ہے، جب پروردگارِ عالم کے لئے پہلو کی نسبت منظور ہے، تو امامِ حیّ و حاضر کے وجہ اللہ اور جنب اللہ ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔

جب اِس حقیقت کی وضاحت ہو چکی، کہ امامِ زمان وجہ اللہ ہیں، تو اب ہم بتوفیقِ الٰہی یہ بیان کر دیں گے

کہ ہر چیز کے فنا ہو جانے کی تاویل کیا ہے، چنانچہ متعلّقہ کُلیّہ مقدّسہ یہ تھا کہ: وجہ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

خوب جاننا چاہئے، کہ اِس فرمانِ الٰہی کی تاویل کے کم از کم چار مقام ہیں، سب سے پہلے مقام کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایسے خاص خاص بندے بھی ہوا کرتے ہیں، کہ ان کے نورانی تصوّر وتخیّل میں یا ان کی چشمِ بصیرت کے سامنے کائنات وموجودات کی ہر چیز اسرارِ نورِ الٰہی کی بے پناہ تجلّیوں میں فنا ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ: پس تم جس طرف بھی متوجہ ہو جاؤ وہیں خدا کا نور موجود ہے ۲/۱۱۵ یہ ہُوا کسی مومن کی انفرادی دنیا میں ہر چیز کا فنا ہو جانا، خدا کے نور کا باقی رہنا خدا کی بادشاہی کا دَور آنا اور خدا کی طرف اِس مومن کا لوٹ کر جانا۔

خاصانِ خدا کے نورانی تصوّر وتخیّل میں ہر چیز اسرارِ نورِ الٰہی کی تجلّیوں میں فنا ہو جاتی ہے۔

دوسرے مقام کی تاویل یہ ہے، کہ دنیا ہی میں ایک ایسا وقت بھی آنے والا ہے، جس میں روحانیت کا دور دَورہ ہوگا، ہر جسمانی چیز روحانی طاقتوں کے نیچے مغلوب ہو کر نہ ہونے کے برابر رہے گی، وہ روحانی طاقت وجہ اللہ یعنی خدا کے نور کی ہوگی، اسوقت روئے زمین پر خدا کی ایک ہی حکومت ہوگی، اور اس حال میں مومنین خدا کی طرف رجوع کئے ہوئے ہوں گے، یہ ہُوا مومنین کی اجتماعی دنیا میں

دورِ روحانیت میں ہر جسمانی چیز وجہ اللہ یعنی نورِ خدا کی روحانی طاقت کے نیچے مغلوب ہو کر نہ ہونے کے برابر رہے گی۔

ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

تیسرے مقام کی تاویل یہ ہے، کہ جب بندۂ مومن اِس دنیا کو چھوڑ کر اپنے امامِ وقت کی روحانیت و نورانیت کی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے، تو اس وقت اس کے نزدیک امامؑ کے نور کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے، ایسے مومن کی اِس ذاتی بہشت میں خدا ہی کی بادشاہی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس حال میں وہ مومن خدا کی طرف رجوع کیا ہُوا ہوتا ہے، یہ ہُوا مومن کی انفرادی قیامت میں ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

امامِ وقت کی روحانیت و نورانیت کی بہشت میں داخل ہونے پر بندۂ مومن کے نزدیک نورِ امام کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے۔

چوتھے مقام کی تاویل یہ ہے کہ کسی زمانے میں عالمِ جسمانی یعنی ساری کائنات کُلّی طور پر فنا ہو جائے گی، جیسا کہ کلید-۹ میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے، اور اس حال میں بندگانِ خدا اپنے آپ کو خدا کے نور میں زندہ پائیں گے، جو عالمِ روحانی اور بہشتِ جاویدانی ہے، اُس عالم میں خدا ہی کی بادشاہی ہوگی اور مومنین خدا کی طرف لوٹے ہوئے ہوں گے، یہ ہُوا مجموعی قیامت میں ہر چیز کا فنا ہو جانا۔

ساری کائنات کے کُلّی طور پر فنا ہونے پر بندگانِ خدا اپنے آپ کو نورِ الٰہی میں زندہ پائیں گے۔

مذکورۂ بالا تاویلات کی ایک واضح مثال یہ ہے، کہ ہر انسان جب خواب کے عالم میں ہوتا ہے، تو اس کے نزدیک عالمِ خواب کے سوا ہر چیز فنا ہو جاتی ہے، یعنی یہ ظاہری کائنات تمام موجودات اور مخلوقات کے ساتھ اس کی نظر سے غائب اور پوشیدہ ہو جاتی ہے، مگر اس کے

خواب کی دنیا میں ہر چیز موجود ہوتی ہے، جس میں خواب کی حکمرانی ہے اور اس کا رجوع خواب کی طرف ہوتا ہے، یہی مثال انفرادی روحانیت و قیامت کے علاوہ اجتماعی روحانیت اور قیامت کی بھی ہے، لیکن بمصداق ؛ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ کہاں خواب کی تاریک اور مردہ دنیا، اور کہاں روحانیت و قیامت کا تابان و درخشان عالم، جس کی ہر چیز روحِ قدسی کی حیات و دانش سے معمور ہے۔

انفرادی واجتماعی روحانیت وقیامت کی ایک مثال عالمِ خواب سے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۱۸

ہر چیز امامِ مبین میں

سورۂ یاسین کے رکوعِ اوّل کے اخیر میں پروردگارِ عالم کا یہ ارشاد ہے کہ : وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۳۶/۱۲ - اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین (کی نورانیت) میں گھیر لیا ہے۔

کائنات و موجودات کی ہر چیز کس طرح امام کی ذات میں گھیری ہوئی ہے؟

سوال : اگر "امامِ مبین" کا یہ اسم حاضر امام ہی کے لئے ہے، تو ہمیں سمجھا دیجئے، کہ کائنات و موجودات کی ہر چیز یعنی تمام اشیائے ظاہر و باطن امام کی ذات میں کس طرح گھیری ہوئی ہیں؟

جواب : ہاں، امامِ مبین حاضر امامؑ ہی کا اسمِ مبارک ہے، چونکہ آپؑ خدائے قدّوس کے پاک نور کی مرتبت رکھتے ہیں، اور خدا کا نور وہ ہے، جس نے ارض و سماء کی وسعتوں کو اپنے اندر گھیر کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نورِ مطلق کی حیثیّت سے امامِ زمان کون و مکان کی جملہ اشیاء پر کس طرح حاوی ہے، اس کے کئی تصوّرات ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ امام برحقؑ کے آئینۂ باطن میں اشیائے دوجہان کی عقلی و روحی (یعنی زندہ

اور باشعور) قسم کی عکاسی ہوتی رہتی ہے، بالفاظِ دیگر امام پاک کے ضمیرِ مُنیر کی لوحِ محفوظ پر ہر چیز کا زندہ نقش و صوت موجود ہے۔

امامِ زمان کے ضمیرِ منیر کی لوحِ محفوظ پر اشیائے دوجہان کا زندہ نقش و صورت موجود ہے۔

دوسرا تصوّر یہ ہے کہ امام علیہ السّلام اس عظیم کائنات کی رُوح اور عقل ہیں، وہ اس طرح کہ امام کی عقل عقلِ کُلّی ہے اور آپ کی روح نفسِ کُلّی، پس تمام عقول امام کی عقل میں مجموع ہیں اور ساری ارواح آپ کی رُوح میں محدود۔

امام کی عقل عقلِ کُلّی اور امام کی رُوح نفسِ کُلّی ہے۔

تیسرا تصوّر یہ ہے، کہ امامؑ خدا کی آنکھ ہیں، اس لئے ان کی نگاہ کے سامنے موجودات کے احوالِ ظاہر و باطن محدود و محصور ہیں، جیسے مولانا علی علیہ السّلام کا فرمان ہے کہ:

امامِ اقدسؑ ہی خدا کی آنکھ ہیں۔

اَنَا عَیْنُ اللّٰہِ فِیْ اَرْضِہٖ وَلِسَانُہُ النَّاطِقُ فِیْ خَلْقِہٖ اَنَا نُوْرُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یُطْفٰی اَنَا بَابُ اللّٰہِ مِنْہُ یُؤْتیٰ وَحُجَّتُہٗ عَلٰی عِبَادِہٖ ۔ یعنی میں زمین میں خدا کی آنکھ ہوں، اور اس کی مخلوق میں اس کی بولتی ہوئی زبان ہوں، میں وہ نورِ خدا ہوں جو نہیں بجھایا جا سکتا، میں باب اللہ ہوں کہ میرے ہی ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے اور اس کے بندوں پر اس کی حجّت ہوں۔

چوتھا تصوّر امامِ مبین کی ذاتِ اقدس میں ہر چیز محدود ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ امامِ عالی مقام کی مقدس رُوح نفسِ کُلّی، رُوحِ اعظم، روح الارواح اور عالمِ روحانی

امامِ مُبین تمام مخلوقات اور جُملہ اشیاء کی رُوحوں کا سورج ہیں۔

کی حیثیت سے ہے، اس لئے امامِ مبین تمام مخلوقات اور جملہ اشیاء کی روحوں کا سورج ہیں، اب ان روحوں کی مثال جو دنیا میں آئی ہیں، سورج کی ان کرنوں کی طرح ہے جو سطحِ زمین تک پہنچی ہوئی ہیں، اور جو روحیں دنیا میں آنے کے بعد اپنی اصل سے واصل ہوئی ہیں یا ابھی تک دنیا میں نہیں آئی ہیں، ان کی مثال روشنی کے اُس مادّہ کی طرح ہے جو سورج کے سرچشمے میں موجود ہے، پس جو روحیں امامِ مبین کے نورِ اقدس میں ہیں وہ بھی، اور جو روحیں دنیا میں آئی ہیں وہ بھی امامِ اکرمؑ کی ذات میں محدود ہیں، جیسے سورج کی کرنوں کا حال ہے، کہ جو شعاعیں ابھی سورج سے نہیں نکلی ہیں وہ تو سورج کے نور میں محدود ہیں ہی، اور ان کے علاوہ جو کرنیں ایک بے پایان نورانی سمندر کی شکل میں کائنات و شش جہات میں پھیلی ہوئی ہیں وہ بھی سورج سے وابستگی کی وجہ سے سورج میں محدود ہیں۔

جُملہ ارواح کرنوں کی مانند نورِ امام کے خورشیدِ انور سے وابستہ اور اسی میں محدود ہیں۔

ان تصوّرات کے علاوہ اِس سلسلے میں ایک اور قرآنی دلیل یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بارے میں ارشاد ہُوا ہے، کہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۲۱: ۱۰۷ اور (اے رسولؐ) ہم نے تم کو تمام عالموں (یعنی ساری کائنات) کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اِس فرمانِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ حضورِ اکرمؐ

خدا کی ہمہ رس اور ہمہ گیر رحمتِ کُلّ کی حیثیت سے تمام کائنات و موجودات پر حاوی تھے، چنانچہ اگلے صفحات پر بھی اس حقیقت کا ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز یعنی کائنات کو اپنی رحمت اور علم میں سما لیا ہے، اور وہ قرآنی ارشاد یہ ہے: ربّنا وسعت کُلّ شیءٍ رحمۃً وعلماً۔ چونکہ امام مبینؑ خلیفۂ خدا اور خلیفۂ رسولؐ ہیں، اس لئے امام کی روحانیت خدا کی ہمہ رس رحمت ہے اور آپ کی نورانیت خدا کا ہمہ گیر علم ہے، پس معلوم ہوا، کہ امامِ مبین کی روحانیت اور نورانیت دونوں ارض و سماء کی وسعتوں پر محیط ہیں۔

رسولِ اکرمؐ خدا کی ہمہ رس اور ہمہ گیر رحمتِ کُلّ کی حیثیت سے تمام کائنات و موجودات پر حاوی تھے۔

امامؑ کی روحانیت خدا کی ہمہ رس رحمت اور آپ کی نورانیت خدا کا ہمہ گیر علم ہے۔

اب ذیل میں اس حقیقت کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں، کہ امامِ مبین کے نور میں کون و مکان کی تمام چیزیں کس طرح گھیری ہوئی ہیں:

۱۔ سورج نے اپنی روشنی کے بے پناہ سمندر میں تمام کائنات کو غرق کر لیا ہے، حالانکہ وہ خود کائنات کے درمیان ایک محدود جسم ہے۔

۲۔ یہ ایک یقینی حقیقت ہے کہ بائے بسم اللہ کے نقطے میں قرآنِ حکیم کا جملہ ظاہر و باطن پنہان ہے۔

۳۔ درخت کے بیج میں مغز ہوتا ہے اور مغز کے درمیان ایک چھوٹا سا نقطہ ہے اور اسی نقطے میں ایک عظیم درخت پوشیدہ ہے۔

امامِ مبین کے نور میں تمام چیزوں کے گھیرے ہوئے ہونے کی کتابِ دین، کتابِ کائنات اور کتابِ نفسی سے چند مثالیں۔

۴۔ حضرت آدمؑ کی پشت میں نفوسِ خلائق کی ایک بھرپور دنیا چھپی ہوئی تھی۔

۵۔ انسان کے دل و دماغ میں بہت سی لطیف دنیائیں سما گئی ہیں، مثلاً خواب کی دنیا، خیال کی دنیا، غور و فکر کی دنیا، عقل و دانش کی دنیا، تجربات کی دنیا، عشق و محبت کی دنیا وغیرہ۔

قلبِ مومن میں حکمت کا ایک نقطہ

۶۔ بندۂ مومن کے قلب میں حکمت کا ایک نقطہ ہے، اور اس نقطے میں اس قدر زیادہ گنجائش ہے کہ حضرت رحمٰن اور اس کی تمام صفاتِ جلالیہ و جمالیہ کے لئے جگہ ہو سکتی ہے۔

آنحضرتؐ کی ذاتِ بابرکات میں تمام پیغمبروں کے نفوسِ قدسیّہ، کتبِ سماویّہ، علمِ الٰہیّہ اور ساری امتوں کی ایمانی روحیں مجموع تھیں۔

۷۔ تمام پیغمبروں کے نفوسِ قدسیّہ، کتبِ سماویّہ، علمِ الٰہیّہ اور ساری امتوں کی ایمانی روحیں آنحضرتؐ کی ذاتِ بابرکات میں مجموع تھیں، ان تمام حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، پس اس کا مطلب یہ ہوا، کہ حضور اکرمؐ کا نورِ مقدس، جس میں سب کچھ تھا، امامِ مبین میں موجود ہے۔

۸۔ یہ عظیم کائنات بہ امرِ خدا کاف و نون (کُن) کے دو حرف سے وجود میں آئی ہے، اور بالآخر پھر کاف و نون میں داخل ہونے والی ہے۔

۹۔ انسان نے اپنے دل و دماغ میں عقل اور علم کو

گھیر لیا ہے اور عقل و علم نے انسان کو گھیر لیا ہے، یعنی وہ اپنی معلومات کے دائرے میں محدود ہے۔

۱۰۔ قیامت کے دن ساری زمین خدا کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے [۲۹/۶۷]۔

۱۱۔ سیاہی کی ایک دوات میں امکانی طور پر دنیا بھر کے علوم سموئے ہوئے ہیں، یعنی اس میں سے ہر قسم کی تحریر اور ہر نوع کا علم ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

پس مذکورۂ بالا دلائل اور مثالوں سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہو گئی، کہ امامِ مبین کے احاطۂ نورانیت میں کائنات و موجودات کا ظاہر و باطن محدود ہے، اور یہ کُلّیّہ الحمد للہ اُس واحد خزانے کی کلید کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں آسمانوں اور زمین کے جملہ مخفی خزانوں کی کلیدیں محفوظ ہیں، جن کا ذکر کلید میں کیا گیا ہے۔

کلّیۂ امامِ مبین اُس واحد خزانے کی کلید ہے جس میں آسمان و زمین کے جُملہ مخفی خزانوں کی کلیدیں محفوظ ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر۱۹

ہر چیز کا ملکوت

سورۂ یاسین کی آخری آیت ہے کہ: فسبحٰن الّذی بیدہٖ ملکوت کُلّ شیءٍ والیہ ترجعون ۳۶/۸۳۔

پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

ملکوت کے معنی ہیں بادشاہی، سلطنت، روحانیت، عالم ارواح، عجائبات اور فرشتوں کا عالم، اور مَلَکُوتَ کُلّ شیءٍ کا مطلب ہے ہر چیز کی روحانیت، ہر چیز کے روحانی عجائبات اور ہر چیز کی وہ روحانی شکل وصورت جو عالمِ امر میں ہے، جس میں ہر چیز مادّی اور جسمانی کیفیّت کے بغیر مجرّد روحانیت میں موجود ہے، جس کی ایک مثال عالمِ خواب ہے، کہ اس کی تمام چیزیں بغیر جسم اور بغیر مادّہ کے روحانی کیفیت میں ہوتی ہیں۔

نیز اس کے معنی ہیں ہر چیز کی ملکوتی بادشاہی اور روحانی سلطنت، کیونکہ کائنات وموجودات کی ہر چیز خدا کے قبضۂ قدرت اور اس کے اختیار میں تو ہے،

مَلَکُوْتَ کُلّ شَیْءٍ۔ ہر چیز کی روحانیت، ہر چیز کے روحانی عجائبات اور ہر چیز کی وہ رُوحانی صورت جو عالمِ امر میں ہے۔

لیکن وہ جسمانیت و مادّیت کے عالم میں ظاہر ہے، اور لوگوں کی نگاہیں اُس تک رسا ہوسکتی ہیں، اِس حال کے برعکس ہر چیز کا روحانی وجود ایسا نہیں، کہ ہر شخص اس کے عجائبات کا ادراک کرسکے، پس اسی اختصاص کے سبب سے ارشاد ہُوا ہے، کہ ہر چیز کی روحانیت خدا کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے ہاتھ سے ولیٔ امرؑ مراد ہیں یعنی امام زمانؑ، کیونکہ خدا کی طرف سے مومنین سے بیعت لینے والا ہاتھ پیغمبر صلعم کے بعد امامِ برحقؑ ہی کا ہے، اِس کا مطلب یہ ہُوا، کہ نبوت و امامت کے واحد نور کی روشنی میں تمام چیزوں کی روحانیت کا مشاہدہ ہوسکتا ہے، پھر ان اشیاء کی حقیقتوں اور معرفتوں کے نتیجے میں خدا کی طرف رجوع یعنی اس کی معرفت کا حصُول ممکن ہے، آیۂ مذکورۂ بالا میں ربطِ الفاظ کا مطلب یہی ہے۔

دستِ خدا سے مراد ولیٔ امر یعنی امامِ زمان ہیں۔

نبوّت و امامت کے نورِ واحد کی روشنی میں تمام چیزوں کی روحانیت کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔

اِس کُلیّۂ مبارکہ میں خدا کے ہاتھ کا ذکر ہُوا ہے، لیکن صاف ظاہر ہے کہ یہاں خدا کے تصوّرِ سُبحانیّت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، اس لئے اگر ہم خدا کے ہاتھ سے خدا کا اختیار مراد لیں یا قبضۂ قدرت سمجھیں، بہر حال اس کی آخری تاویل ولیٔ امرؑ ہی کو پہنچنے کے بغیر چارہ نہیں، چنانچہ صاحبِ امر یعنی امامِ مبین علیہ السّلام کے نور میں ہر چیز کا ملکوت موجود ہے، اور ان کے نور سے کوئی چیز

باھر نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خدا کی جانب سے اپنے وقت میں ولیؔ عامرؑ ہونے کے ساتھ ساتھ آسمانوں اور زمین کے ملکوت کا مشاہدہ کیا تھا، چونکہ آپ اپنے زمانے کے امام تھے، اور انہوں نے اپنے نور ہی میں دیدۂ باطن سے عالمِ ملکوت دیکھا تھا، اور آپ نے حکمت کی زبان میں فرمایا کہ جو شخص میری پیروی کرے وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق ملکوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے، یہ مطالب سورۂ انعام کے رکوع نہم اور سورۂ ابراہیم کے رکوع ششم میں ہیں، مگر ایمان و ایقان کی قوتوں کے بغیر ان حقیقتوں کے متعلق باور کرنا سخت مشکل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے دیدۂ باطن سے ملکوتِ سماوات وارض کا مشاہدہ کیا تھا۔

قرآنِ حکیم کی کسی آیت کی حقیقتوں سے کوئی حقیقت اُس وقت کما حقّہٗ دلنشین ہو سکتی ہے، جبکہ اِس حقیقت سے متعلق قرآنی موضوع کا بغور مطالعہ کیا جائے اور جبکہ امام کی نورانی تائید حاصل ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پیروی اور مشاہداتِ ملکوتی کے بارے میں ایک اور ارشاد یہ ہے کہ: بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے ابراہیمؑ کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کا اتّباع کیا تھا اور یہ نبی (صلعم) ہیں اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا حامی ہے ۳:۶۸ یعنی سب لوگوں میں حضرت ابراہیمؑ کے

ساتھ زیادہ خصوصیت، زیادہ دوستی اور روحانیت اور نورانیت کا قریبی رشتہ رکھنے والے لوگ وہ تھے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی حقیقی معنوں میں پیروی کی تھی، جیسے آلِ ابراہیمؑ کے انبیاء وائمہ علیہم السّلام اور ان کے حقیقی مومنین، نیز نبیؐ اکرم اور اُمّتِ محمدیہؐ کے اہلِ ایمان۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے اِتباع کی اِس تعلیم سے چند حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں، چنانچہ پہلی حکمت یہ ہے: جناب ابراہیم خلیل اللہؑ کی حقیقی پیروی یہ ہے، کہ آپ کے پیچھے پیچھے روحانیت ونورانیت کے اُس رستے پر چلا جائے جس میں کہ انہوں نے آسمانوں اور زمین کے ملکوتی عجائبات کا مشاہدہ کیا تھا، جس کا زندہ ثبوت آلِ ابراہیمؑ کے جملہ انبیاء وائمہ علیہم السّلام نیز نبیؐ محمّد صلعم اور آپ کے خاندان کے تمام أئمہؑ اطہار علیہم السّلام ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی حقیقی پیروی (۳: ۶۸) آپ کے پیچھے پیچھے روحانیت ونورانیت کے رستے پر چلنا ہے۔

دوسری حکمت: حضرت ابراہیمؑ کی پیروی ہو یا کسی اور پیغمبر کی، بہرحال پیروی کی دو صورتیں ہوا کرتی ہیں، اور تیسری کوئی صورت نہیں، پہلی صورت بلاواسطہ پیروی کی ہے اور دوسری صورت بالواسطہ پیروی کی، پیغمبر کی زندگی ہی میں جو پیروی کی جاتی ہے وہ بلاواسطہ ہے اور جو پیروی پیغمبر کی وفات کے بعد اس کی کتاب اور حقیقی

پیغمبر کی پیروی کی دو صورتیں: بلاواسطہ پیروی اور بالواسطہ پیروی

جانشین کے ذریعے سے کی جاتی ہے وہ بالواسطہ ہے۔

تیسری حکمت: حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی پیروی کے لئے آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت اسماعیلؑ سے حضرت ابو طالبؑ تک سلسلۂ امامت جاری تھا، جس کے بغیر ابراہیمؑ کی حقیقی پیروی ناممکن تھی اور آپ کی آسمانی کتاب لوگوں کے سامنے موجود نہیں تھی۔

چوتھی حکمت: حضور اکرم صلعم اپنی بعثت سے قبل کے زمانے میں امامِ وقت کے توسط سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پیروی کر لیا کرتے تھے۔

پانچویں حکمت: مذکورہ ارشادِ قرآنی میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے، پس ولی کے معنی یہاں کارساز، دوست، حامی، مددگار، مختار، وارث وغیرہ جیسے بھی ہوں بہر حال اس کا مطلب یہی ہے، کہ خدا نے مومنوں کو کسی بھی زمانے میں امامِ مبینؑ کے بغیر نہیں چھوڑا ہے، کیونکہ اس نے امامِ مبین کو ہر چیز پر حاوی اور محیط فرما دیا ہے، اس لئے ہر زمانے میں امامؑ کی موجودگی لازم آتی ہے، جبکہ ظاہریت و جسمانیت میں ہر چیز زمان و مکان کے سوا نہیں ہو سکتی ہے۔

اِس مضمون کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب امامِ مبینؑ اپنے نورِ مقدّس سے ہر چیز پر محیط ہے، تو یہ حقیقت ہے، کہ ہر چیز کا ملکوت بھی آپ کے پاک نور میں ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کی مثال سے ظاہر ہے، اور کوئی شک نہیں کہ آپ

حضرتِ ابراہیمؑ کی بالواسطہ پیروی

اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی یعنی کارساز، دوست اور مددگار کس معنی میں ہے۔

ہر چیز کا ملکوت امامِ مُبینؑ کے نورِ مقدس میں ہے۔

اپنے وقت میں امامِ مبین تھے، پس یہی سبب ہے، کہ
قرآن کے جملہ موضوعات حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے موضوع
سے وابستہ کئے ہوئے ہیں، اور آنجناب کا موضوع امامِ
مبینؑ کے عنوان کے تحت ہے۔

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۲۰

ہر چیز کیلئے گنجائش رحمت اور علم میں

سورۂ مومن کی ساتویں آیت میں قرآنِ مقدّس کا ارشاد ہے کہ: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا [۴۰]۔ اے ہمارے پروردگار تو نے ہر چیز اپنی رحمت اور علم میں سمو رکھی ہے۔

اِس آیۂ کریمہ کا اشارۂ حکمت اِس حقیقت کی طرف ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی زندہ رحمت نفسِ کُلّی کی روحانیت ہے اور اس کا ذی حیات علم عقلِ کُلّی کی نورانیت، اور روحانیت و نورانیت کے دو سمندر میں کائنات و موجودات کی تمام چیزیں ڈوبی ہوئی ہیں، یہ امرِ واقعی اِس طرح سے ہے، کہ جسمِ کُلّی، جو آسمانوں، ستاروں، سیّاروں اور تمام مادّی چیزوں کا مجموعہ ہے، نفسِ کُلّ کی روحانیت میں غرق ہے اور نفسِ کُلّ بمع ان تمام چیزوں کے (یعنی جسمِ کُلّ کے ساتھ) عقلِ کُلّ کی نورانیت میں مُستغرق ہے، پس یہ ہُوا ہر چیز کا رحمت اور علم میں سمو جانا۔

اللہ تعالیٰ کی زندہ رحمت نفسِ کُلّی کی روحانیت اور اُس کا ذی حیات علم عقلِ کُلّی کی نورانیت ہے۔

نیز اشیائے کائنات و موجودات کے رحمت و علم میں سمو جانے کی ایک خاص صورت بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ

تمام چیزیں اپنی ظاہری اور مادّی ہستی کے علاوہ رحمت میں روحانی طریق پر اور علم میں عقلی طور پر زندہ اور موجود ہیں، بالفاظ دیگر ہر چیز بیک وقت تین صورتوں میں یا کہ تین مقامات پر موجود ہے، وہ جسمِ کُل میں جسمانی طور، نفسِ کُل میں روحانی حیثیت سے اور عقلِ کُل میں عقلی صورت میں موجود ہے۔

ہر چیز بیک وقت تین صورتوں میں موجود ہے۔

اِس حقیقت کی ایک روشن دلیل (کہ جس طرح ہر چیز عالمِ جسمانی میں مادّی صورت میں موجود ہے، اسی طرح وہ عالمِ ارواح میں روحانی صورت میں اور عالمِ عقول میں عقلی صورت میں موجود ہے) یہ ہے کہ ازل میں عقلِ کُل کے قلم نے بامرِ الٰہی اپنے وجود کے عالم کی جملہ اشیاء کی روحانی یعنی زندہ تصویریں نفسِ کُل کی لوحِ محفوظ پر اتار دی تھیں، مگر عقلِ کُل کے عالم کی چیزیں ویسی کی ویسی اپنی اپنی جگہ پر موجود تھیں، اسی طرح نفسِ کُل یا کہ لوحِ محفوظ کے روحانی نقوش کے مطابق اِس دنیا کی جسمانی چیزیں پیدا کی گئیں، بغیر اس کے کہ لوحِ محفوظ کی چیزوں میں کوئی کمی واقع ہو۔

ازل میں قلمِ الٰہی نے اپنے وجود کے عالم کی جملہ اشیاءٔ کی روحانی تصویریں نفسِ کُل کی لوحِ محفوظ پر اتار دی تھیں۔

بیانِ مذکورۂ بالا سے نہ صرف یہ ثبوت ملا، کہ ہر چیز رحمت اور علم میں سموئی ہوئی ہے، بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا، کہ رحمت نفسِ کُل کی صفت ہے اور علم عقلِ کُل کی صفت، نیز اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہُوا، کہ ہر چیز بیک وقت عقل، روح اور جسم میں موجود ہے، گویا عقل کا

رحمت نفسِ کُل کی اور علم عقلِ کُل کی صفت ہے۔

سایہ روح ہے اور روح کا سایہ جسم،

امامِ عالی مقام علیہ السّلام کے مبارک فرمان میں ہے، کہ مومنین اپنی روحوں میں فرشتے ہیں اور جسموں میں انسان، پس یہ بات قابلِ یقین ہے کہ مومنوں کی روحوں کے فرشتوں کے بھی عقلی فرشتے ہیں، جس کا ثبوت انسان کا ظاہری وجود ہے، کہ اس میں تین چیزیں ہیں، یعنی جسم، روح اور عقل۔

جب یہ مانا گیا، کہ ہر وہ چیز جو جسمانی عالم میں ہے، وہ روحانی عالم میں بھی ہے اور عقلی عالم میں بھی، اور یہ بھی تسلیم کیا گیا، کہ روحانی عالم نفسِ کُلّ ہے اور عقلی عالم عقلِ کُلّ، پھر اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عالمِ انسانیت کے سردار یعنی امامِ مبین کی روح وہ روحانی فرشتہ ہے، جو نفسِ کُلّ کے اسم سے موسوم ہے، اور ان کی عقل وہ عقلی فرشتہ ہے، جس کو عقلِ کُلّ کہا جاتا ہے، پس اس مضمون کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ امامِ مبین کی روحِ اعظم کائنات کی رحمت کا سرچشمہ ہے اور آپ کی عقلِ کامل سارے جہانوں کے علم کا منبع ہے۔

امامِ مُبین کی روحِ اعظم کائنات کی رحمت، اور آپ کی عقلِ کامل سارے جہان کے علم کا سرچشمہ ہے۔

کلید نمبر ۲۱

ہر چیز کا بولنا

قرآنِ مجید کی ۴۱/۲۱ میں فرمایا گیا ہے کہ: قالوا انطقنا اللہ الّذی انطق کلّ شیءٍ ۴۱/۲۱ وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب چیزوں کو نطق بخشا اُسی نے ہم کو بھی گویائی دی۔

اس کُلیّۂ مبارکہ کی وضاحت کرنے سے قبل ہمیں نطق یعنی قوت گویائی کی حقیقت کے متعلّق کچھ کہنا چاہئے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض حکماء کے نزدیک قوّتِ ناطقہ انسانی روح کا خاصہ ہے، لیکن حقیقتاً اس میں سبقت عقل ہی کو حاصل ہے، اور عقل ہی کے ذریعے سے بولنے کی طاقت روحِ انسانی کو حاصل ہوتی رہتی ہے۔

قوتِ گویائی رُوحِ انسانی کو عقل ہی کے ذریعے حاصل ہوتی رہتی ہے۔

اِس حقیقت کی پہلی دلیل، کہ انسانی روح کی یہ قوّتِ ناطقہ عقل کے توسّط سے حاصل ہوتی رہتی ہے، یہ ہے کہ عالمِ دین کی ترتیب میں سب سے پہلے اور سب سے اوپر کلمۂ باری کا مقام ہے، جس کو کلمۂ "کُن" اور امرِ کُلّ بھی کہا جاتا ہے، یہ فی المثل عالمِ دین کی قوّتِ گویائی ہے، کُن کے امر سے عقلِ کُلّ کا فرشتہ وجود میں آیا، جو عالمِ دین کی عقل

کلمۂ باری (کلمۂ کُن = امرِ کُلّ) عالمِ دین کی قوتِ گویائی ہے۔

کی حیثیت سے ہے، عقلِ کُلّ سے نفسِ کُلّ کا فرشتہ پیدا کیا گیا، جو عالمِ دین کی جان یعنی روح کا درجہ رکھتا ہے، اِس مثال سے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ روحِ ناطقہ کی تعمیر عقل سے ہوتی ہے اور عقل کی تکمیل نطق سے۔

دوسری دلیل یہ ہے، کہ انسان کے جسم کا قیام روح پر ہے، روح کی محافظ عقل ہے اور عقل کا مُربّی نطق۔

تیسری دلیل: عقل نطق کے بغیر نہیں ہو سکتی، جس کا ثبوت فرشتہ ہے، مگر روح نطق کے بغیر ہو سکتی ہے، جس کی مثال حیوان ہے۔

چوتھی دلیل: علم خواہ لَدُنّی مرتبت کا ہو یا اکتسابی قسم کا بہرحال نطق کی صورت میں آسکتا ہے اور جو وحی کا اشارہ ہوتا ہے وہ بھی ایک طرح کا نطق ہے، جس کو سب سے پہلے عقل و شعور قبول کرتا ہے پھر یہ روح تک پہنچتا ہے۔

اشارۂ وحی بھی ایک طرح کا نطق ہے جسے سب سے پہلے عقل وشعور قبول کرتا ہے پھر یہ روح تک پہنچتا ہے۔

پانچویں دلیل: اگر کسی بچّے کے کان شروع ہی سے سُن نہیں سکتے، تو وہ بہرا کہلاتا ہے، جب وہ بہرا ہو گیا، تو اِس سے گونگا بھی ہو جاتا ہے، پھر وہ اِس کے نتیجے میں عقل کی دولت سے بے نصیب رہ جاتا ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ بس یہی کہ جب وہ قوّتِ سامعہ سے محروم ہو گیا، تو قوّتِ ناطقہ اور عقل و دانش سے بھی محروم رہتا ہے، اِس سے معلوم ہُوا، کہ عقل کی تکمیل کا ذریعہ ناطقہ ہے۔

عقل کی تکمیل کا ذریعہ ناطقہ ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل سے اِس حقیقت کا بیّن ثبوت ملتا

ہے، کہ جس طرح عالمِ دین میں کلمۂ باری یعنی "کُن" کے امر سے عقلِ کُل وجود میں آیا اور جیسے عقلِ کُل سے نفسِ کُل پیدا ہُوا، اسی طرح مومن کے شخصی عالم میں امامِ زمان کے پُرحکمت فرمان سے، جو کلمۂ باری کی مثال ہے، عقلِ جُزوی کو کمال حاصل ہوتا ہے، پھر ایسی عقل سے روح الایمان پیدا ہوتی ہے۔

مومن کی عقلِ جزوی کو امامِ زمان کے پُرحکمت فرامین سے کمال حاصل ہوتا ہے۔

پھر اس کے نتیجے میں مومن کے حواسِ باطن زندہ ہو جاتے ہیں، تب وہ حقائقِ اشیاء کا مشاہدہ کرسکتا ہے، کہ تمام چیزوں کی جسمانی، روحانی اور عقلی تین تین ہستیاں ہیں، ہر چیز اپنے عقلی وجود اور روحانی وجود میں بولتی رہتی ہے، اس کے علاوہ اشیاء کا ظاہری وجود بھی معجزانہ نطق سے خالی نہیں۔

چنانچہ ظاہری اور جسمانی چیزیں دو طرح سے بولتی ہیں، یعنی زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے، مگر یہاں زبانِ حال کی کیفیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے، ہم صرف زبانِ قال کی بات کریں گے، کہ اس کی بھی دو صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ چیزوں کی آواز اور صوت وصدا روح القدس کے تصرّف سے معجزانہ گفتگو اور ذکر و تسبیح میں تبدیل ہو جاتی ہے، دوم یہ کہ جن چیزوں کی کوئی آواز نہ ہو، اُن سے ایسی معجزاتی آواز پیدا ہوتی ہے کہ اس کی کماحقہ، توجیہہ نہیں ہو سکتی۔

ظاہری اور جسمانی چیزیں دو طرح سے بولتی ہیں، زبانِ حال سے اور زبانِ قال سے۔

جب آواز والی اور بے آواز والی جملہ چیزیں زبانِ نطق سے خدا کے ذکر و تسبیح کرنے لگتی ہیں، تو اس میں ہم

ایک اعتبار سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان چیزوں کو نطق دیا، دوسرے اعتبار سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ مومن کی اپنی روحِ ایمانی کا کرشمہ ہے، تیسرے اعتبار سے یہ بھی مان سکتے ہیں، کہ یہ روح القدس کا معجزہ ہے اور چوتھے اعتبار سے یہ کہنا بھی حقیقت ہے، کہ یہ سب کچھ امامِ مبین کے نور کی روشنی میں کشفِ روحانیت کا عالم ہے، پس یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ پر حق اور صحیح ہیں اور ان میں سے کوئی بھی غلط نہیں، کیونکہ جہاں تمام حقیقتوں کی وحدت و یگانگت کا مقام ہے وہاں کی حالت و کیفیت کے مختلف اعتبارات ہوتے ہیں۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کلید نمبر ۲۲

تمام چیزوں کے جوڑے

قرآنِ عظیم کی ۵۱/۴۹ میں حضرت تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۵۱/۴۹ ۔ اور ہر چیز کو ہم ہی نے جوڑا جوڑا بنایا تاکہ تم یاد رکھو۔

جیسا کہ کلید ۹ میں بطریقِ اختصار یہ ذکر ہوا تھا، کہ تمام چیزیں جوڑی جوڑی پیدا کی گئی ہیں، چنانچہ اسی مطلب کو یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، کہ ہر چیز کی ایک ضد یا ایک مقابل ہے، جیسے مرد عورت، دن رات؛ روشنی تاریکی، خشکی تری، آسمان و زمین، روحانی و جسمانی؛ خوشی و غم، امیری و غریبی، دنیا و آخرت، وجود و عدم یا کہ ہستی و نیستی، خلق و امر وغیرہ۔

ہر چیز کی ایک ضد یا ایک مقابل ہے۔

یہاں یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ چیزوں کے جوڑے دو قسم کے ہُوا کرتے ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کے ہر جوڑے کی دونوں چیزیں ایک ساتھ رہ سکتی ہیں، جیسے مرد عورت؛ دوسری قسم وہ ہے جس کے ہر جوڑے کی دونوں چیزیں یکجا نہیں ٹھہر سکتیں، جیسے دن رات۔

چیزوں کے جوڑے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔

کائنات کی فنا و بقا ایک لاانتہا سلسلہ ہے۔

چنانچہ اگر ہم اِس کائنات کی بقا کو دن اور اس کی فنا کو رات قرار دیں، تو یہ بھی مذکورہ چیزوں کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا ہوگا، لیکن لازمی ہے کہ کائنات کی ہستی اور نیستی کے یہ دن رات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری ہوں، اور یہ حقیقت ہے کیونکہ دن رات تو ایک لاانتہا سلسلہ ہے۔

مذکورۂ بالا کلیّہ کی روشنی میں چشمِ بصیرت سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات و موجودات کے وجود و عدم کے سلسلے کی نہ تو کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا، بلکہ اس سے دائمیت کا ایک نہایت ہی وسیع دائرہ بنا ہوا ہے، جیسے دن رات کی مثال میں کائنات کی بقا و فنا کی لاانتہا گردش کی حقیقت ثابت کی گئی، اس کے برعکس اگر ہم صرف اسی بات کو مانیں کہ پہلے خدا کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، پھر اللہ پاک کے امر سے یہ جہان پیدا ہوا، پھر ایک دن یہ جہان فنا ہو جائیگا، تو اس عقیدہ میں تین چیزیں ہو گئیں، یعنی پہلے نیستی، اس کے بعد ہستی، پھر نیستی، اور یہ بغیر جوڑے کی بات ہوئی، حالانکہ مذکورۂ بالا کلیّے کے مطابق ایسا ہونا چاہئے، کہ ہر نیستی کے بعد ایک ہستی ہو اور ہر ہستی کے بعد ایک نیستی، کیونکہ ذاتِ سبحان کے سوا کوئی چیز بغیر جوڑے کے نہیں ہو سکتی۔

ہر ہستی کے بعد ایک نیستی اور ہر نیستی کے بعد ایک ہستی ہے۔

علاوہ بر آن اگر ہم ہستی کو چھوڑ کر صرف نیستی کی کیفیّت کے بارے میں غور و فکر کریں، تو پھر وہی حقیقت نکھر کر

سامنے آتی ہے، کہ قانونِ قدرت کے تصرّف سے کوئی چیز مستثنا نہیں ہوسکتی، یعنی خلقنا زوجین کے حکم کا اطلاق ہر جوڑے کی دونوں چیزوں پر برابر برابر ہوتا ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہستی خدا کی بنائی ہوئی (مخلوق) ہے اسی طرح نیستی بھی اسی کی بنائی ہوئی (مخلوق) ہے، پھر جب ہم نے بحقیقت یہ تسلیم کرلیا کہ نیستی کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسی کیفیت ہے نہیں، جو فعلِ قدرت کے تصرّف کے بغیر خود بخود پائی جائے، بلکہ وہ جس حالت و کیفیت میں بھی ہو خدا ہی کی بنائی ہوئی ہے، تو اب ہمیں لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا، کہ نیستی دراصل ہستی کی بدلی ہوئی ایک صورت ہے، جس طرح رات ایک بدلی ہوئی شکل ہے دن کی، پس اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ایسی کوئی نیستی نہیں جس سے پہلے ایک ہستی نہ ہو اور نہ ایسی کوئی ہستی ہے جس سے قبل نیستی نہو، چنانچہ قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ یہ ارشاد ہے کہ خدا کے امر سے جس طرح رات کے اندر دن پوشیدہ ہے اور دن کے باطن میں رات پنہاں ہے، بالکل اسی طرح نیستی میں ہستی چھپی ہوئی ہے اور ہستی میں نیستی مخفی ہے۔

نیستی میں ہستی چھپی ہوئی ہے اور ہستی میں نیستی مخفی ہے۔

بعض لوگوں کے عقیدے کے مطابق عدم اور نیستی ایک لاشَیٔ اور بے مُسمّا اسم ہے، مگر حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے، جیسے قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ: اَلَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ

أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ٦٧/٢ یعنی خدا وہ ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا (یعنی مخلوق) کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔ اِس فرمانِ الٰہی سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے، کہ نیستی اور ہستی دونوں خدا کی مخلوقات میں سے ہیں، پس معلوم ہوا کہ نیستی ایک قسم کی مخلوق ہے جس کو خدا نے ہستی سے پیدا کیا ہے۔

نیستی اور ہستی دونوں خدا کی مخلوقات میں سے ہیں۔

ہم نفی اور اثبات کی دونوں حقیقتوں کو تسلیم کر لیتے ہیں، وہ یہ کہ بلاشک وشبہ ہر چیز فنا تو ہو ہی جاتی ہے، مگر فنا ہی سے پھر وہی چیز پیدا کی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک فرمان ہے کہ: كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٢٨/٢ کیونکر تم خدا کا انکار کرسکتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے تم کو زندہ کیا پھر تم کو موت دے گا اور پھر زندہ کریگا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اِس آیۂ کریمہ کی حکمت میں آپ ذرا ذہنی اور فکری صفائی کے ساتھ سوچئے، تو معلوم ہوگا، کہ انسان کی روح قدیم ہے، اس کی روحانی اور جسمانی زندگی بے پایان ہے، چنانچہ مذکورۂ بالا ارشاد میں اِشارہ فرمایا گیا ہے، کہ انسان بارہا بقا و فنا کے تجربات سے گذرتا رہا ہے، وہ ایک

روحِ انسانی قدیم ہے۔

زمانے میں خدا کے حضور میں تھا، جہاں اس کے لئے حقیقی بہشت تھی، مگر وہ وہاں سے حضرت آدمؑ کی طرح کسی بہانے سے نکل کر دنیا میں آیا، اور پھر آخرکار وہ لوٹ کر وہاں جانے والا ہے، خدا کے حضور جانا بہشت کے بغیر نہیں، اور نہ بہشت خدا کے حضور کے بغیر ہے۔

انسان کے لئے خُدا کے حضُور میں حقیقی بہشت ہے۔

اِس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام چیزوں کے جوڑے ہیں اور ہر جوڑے سے ایک دائرہ بنتا ہے، جیسے دن رات کا ایک دائرہ ہے اسی طرح کائنات کی ہستی و نیستی کا بھی ایک دائرہ ہے جو سب سے بڑا دائرہ ہے، اور موجودات و مخلوقات اسی دائرے پر بقا و فنا سے گذرتی ہوئی گردش کرتی رہتی ہیں۔

موجودات و مخلوقات ہستی و نیستی کے دائرے پر فنا و بقا سے گزرتی ہوئی گردش کرتی رہتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِحْسَانِهٖ، کہ یہ تمام حکمت کی باتیں امامِ مبین کی معرفت کے خزانے میں موجود ہیں؛ اور اس معرفت سے کوئی چیز باہر نہیں، پس مومن کو چاہئے کہ وہ امام شناسی میں کامل ہو جائے، اور امام شناسی کی کتابوں کو اصول کے مطابق پڑھتا رہا کرے، تاکہ اس کے دل میں اسرارِ امامت کی روشنی پیدا ہو جائے۔

والسّلام

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

انڈیکس

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ISW
LS
Institute for
Spiritual Wisdom
and
Luminous Science
Knowledge for a united humanity

قرآنی حوالہ جات

نمبر شمار	حوالۂ آیت (سورہ: آیت)	صفحہ نمبر
۱	۱۷:۲	۶۳
۲	۲۰:۲	۱۳۱
۳	۲۸:۲	۲۳۱
۴	۲۹:۲	۱۳۶
۵	۳۰:۲	۱۲۶-۱۲۵
۶	۳۱:۲	۱۴۰
۷	۶۰:۲	۳۳
۸	۱۱۵:۲	۲۰۶
۹	۱۲۴:۲	۱۱
۱۰	۱۳۸:۲	۱۴۲
۱۱	۱۴۸:۲	۱۴۵-۱۴۴
۱۲	۱۵۶:۲	ز، ۱۷۵
۱۳	۲۵۷:۲	۶۴
۱۴	۶۸:۳	۲۱۹ - ۲۱۷
۱۵	۱۰۳:۳	۲۰
۱۶	۱۶۹:۳	ح
۱۷	۱۸۴:۳	۶۵
۱۸	۱۸۵:۳	۱۴۷
۱۹	۵۹:۴	۱۱۲، ۱۷۶
۲۰	۱۷۴:۴	۶۶
۲۱	۱۶-۱۵:۵	۶۷
۲۲	۴۴:۵	۶۷
۲۳	۴۶:۵	۶۸
۲۴	۴۸:۵	۶۹
۲۵	۱:۶	۷۰
۲۶	۵۹:۶	۱۴۱
۲۷	۸۲-۷۱:۶	۲۱۷
۲۸	۷۵:۶	۱۹۲
۲۹	۹۱:۶	۲۴، ۷۱
۳۰	۱۱۱:۶	۱۵۳
۳۱	۱۱۲:۶	۱۵۸
۳۲	۱۲۲:۶	۷۳
۳۳	۱۵۴:۶	۱۶۱، ۱۶۳
۳۴	۱۵۵:۶	۱۶۴

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	حوالہ آیت (سورہ:آیت)	صفحہ نمبر
۳۵	۴۰:۷	۱۶۷
۳۶	۴۶:۷	۱۶۵
۳۷	۵۳:۷	۱۰۲
۳۸	۱۵۷:۷	۷۳
۳۹	۱۷۲:۷	۴۰
۴۰	۱۷:۸	۱۸۷
۴۱	۱۲:۹	۱۹ - ۱۸
۴۲	۳۲:۹	۷۴
۴۳	۵:۱۰	۷۵، ۱۲۰
۴۴	۱۷:۱۰	۲۲
۴۵	۳۹:۱۰	۱۰۲
۴۶	۸۸:۱۰	۴۷
۴۷	۱۷:۱۱	۲۲
۴۸	۵۶:۱۱	۳۰
۴۹	۶:۱۲	۱۰۲
۵۰	۲۱:۱۲	۱۰۲
۵۱	۳۷:۱۲	۱۴۲
۵۲	۱۰۱ - ۱۰۰:۱۲	۱۰۲
۵۳	۸:۱۳	۱۶۹
۵۴	۱۶:۱۳	۷۶
۵۵	۱:۱۴	۷۷
۵۶	۵:۱۴	۷۸
۵۷	۳۴:۱۴	۱۴۴، ۱۷۳
۵۸	۵۲ - ۳۵:۱۴	۲۱۷
۵۹	۲۱:۱۵	۱۷۷
۶۰	۲۶:۱۵	۱۹۳
۶۱	۷۹:۱۵	۲۹، ۳۱
۶۲	۶۸:۱۶	۱۸۲
۶۳	۶۹:۱۶	۱۸۲ - ۱۸۰
۶۴	۸۹:۱۶	۱۶۴
۶۵	۱۲۰:۱۶	۱۴
۶۶	۷۱:۱۷	۳۳، ۱۶۶
۶۷	۵۴:۱۸	۱۸۴
۶۸	۸۵-۸۳:۱۸	۱۹۰
۶۹	۸۴:۱۸	۱۹۱
۷۰	۹۸-۹۱:۱۸	۱۹۵
۷۱	۹۸-۹۴:۱۸	۱۹۶
۷۲	۹۹:۱۸	۱۹۷
۷۳	۵۰:۲۰	۱۹۹
۷۴	۷۳:۲۱	۳۶
۷۵	۹۶ - ۹۵:۲۱	۱۹۵، ۱۹۷
۷۶	۱۰۷:۲۱	۲۱۱، ۱۸۸

ISW Ls Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	حوالۂ آیت (سورہ:آیت)	صفحہ نمبر
۷۷	۹-۸:۲۲	۷۹
۷۸	۴۶:۲۲	۷۷
۷۹	۶۲:۲۳	۱۳۷
۸۰	۳۵:۲۴	۶۰، ۷۰، ۷۹، ۸۵، ۹۲، ۱۰۴، ۱۸۵، ۲۰۰
۸۱	۴۰:۲۴	۸۶
۸۲	۳۵:۲۵	۱۶۲
۸۳	۶۱:۲۵	۸۷، ۱۲۰
۸۴	۷۴:۲۵	۳۸
۸۵	۸۴:۲۶	۱۶
۸۶	۷۵:۲۷	۱۴۲
۸۷	۵:۲۸	۴۲
۸۸	۴۱:۲۸	۴۶
۸۹	۵۷:۲۸	۱۸۲
۹۰	۸۸:۲۸	۴، ۲۰۳، ۲۰۶
۹۱	۲۷:۳۰	۱۸۴
۹۲	۲۰:۳۱	۸۸
۹۳	۲۴:۳۲	۴۹
۹۴	۴۴-۴۱:۳۳	۸۹ - ۸۸
۹۵	۴۶-۴۵:۳۳	۹۰
۹۶	۴۶:۳۳	۱۳۸، ۱۸۸
۹۷	۵۶:۳۳	۳
۹۸	۲۲-۱۹:۳۵	۹۲
۹۹	۲۵:۳۵	۹۳
۱۰۰	۱۲:۳۶	۳، ۲۷، ۵۱، ۱۰۹، ۱۲۸، ۱۳۸، ۱۸۹، ۱۹۱، ۲۰۹
۱۰۱	۴۱:۳۶	۴۰
۱۰۲	۵۱:۳۶	۱۹۸
۱۰۳	۸۳:۳۶	۲۱۵
۱۰۴	۱۸۰:۳۷	۱۸۶
۱۰۵	۱۰:۳۸	۱۹۱
۱۰۶	۲۶:۳۸	۱۲۷
۱۰۷	۲۲:۳۹	۹۴
۱۰۸	۴۲:۳۹	۱۵۲
۱۰۹	۵۳:۳۹	۱۳۴
۱۱۰	۵۶:۳۹	۲۰۵
۱۱۱	۶۳:۳۹	۱۹۲
۱۱۲	۶۷:۳۹	۲۱۴
۱۱۳	۶۹:۳۹	۹۶
۱۱۴	۷:۴۰	۲۱۲، ۲۲۱
۱۱۵	۲۱:۴۱	۲۲۴

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	حوالۂ آیت (سورہ:آیت)	صفحہ نمبر
۱۱۶	۵۳:۴۱	۱۳۲
۱۱۷	۱۱:۴۲	۹۲، ۱۸۵
۱۱۸	۵۱:۴۲	۹۹-۹۸
۱۱۹	۵۲:۴۲	۲۵، ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۴
۱۲۰	۱۸:۴۳	۶۶
۱۲۱	۲۸:۴۳	۱۶
۱۲۲	۱۳:۴۵	۱۷۴
۱۲۳	۱۲:۴۶	۵۳
۱۲۴	۶:۴۷	۱۷۶
۱۲۵	۲۴:۴۷	۱۲۹
۱۲۶	۱۰:۴۸	۱۸۷
۱۲۷	۴۹:۵۱	۲۲۸، ۲۳۰
۱۲۸	۲۲:۵۴	۱۱۴
۱۲۹	۹:۵۷	۱۰۱-۱۰۰
۱۳۰	۱۲:۵۷	۶۰، ۱۰۳
۱۳۱	۱۳-۱۲:۵۷	۱۰۵-۱۰۴
۱۳۲	۱۹:۵۷	۱۰۵
۱۳۳	۲۸:۵۷	۱۰۷، ۱۰۸، ۱۸۸
۱۳۴	۸:۶۱	۱۰۹
۱۳۵	۸:۶۴	۱۱۱-۱۱۰
۱۳۶	۱۱-۱۰:۶۵	۲۳، ۱۱۴

نمبر شمار	حوالۂ آیت (سورہ:آیت)	صفحہ نمبر
۱۳۷	۸:۶۶	۱۱۹-۱۱۵
۱۳۸	۲:۶۷	۲۳۱-۲۳۰
۱۳۹	۴۲:۶۸	۲۰۵
۱۴۰	۱۶-۱۵:۷۱	۱۲۰
۱۴۱	۲۷-۲۶:۷۲	۱۴۰
۱۴۲	۲۹:۷۸	۱۳۷
۱۴۳	۲۴:۸۱	۱۴۱
۱۴۴	۶-۵:۱۱۴	۱۵

IsW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

احادیث

كُلُّ مؤمنٍ شهیدٌ وَكُلُّ مؤمِنةٍ حَوراء۔ .... ط

مَن مَاتَ وَلَم یَعرِف إمامَ دهرِهٖ حیّاً مَاتَ میتَةً ۵
جاهِلِیَّةً وَالجَاهِلُ فِی النّار۔

مُوتُوا قَبل اَن تَمُوتُوا۔ ۱۴۸

كُنتُ كَنزاً مخفِیّاً، فَاَحبَبتُ اَن اُعرَف ۱۷۵
فَخَلَقتُ الخَلقَ لِكَی اُعرَف

مَن كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ ۱۷۵

یاعَلِي اِنَّ لَکَ کنزاً مِنَ الجنَّةِ و اِنَّکَ لَذُو قَرنَیهَا۔ ۱۹۴

مَن رَاٰنِي فقَد رَاَالحق۔ ۲۰۳

اَنَا دارُ الحِکمةِ وَ علیٌ بَابُها۔ ۲۱۳

ارشادات و اقوال

• اَنَا وجۡهُ اللّٰهِ فِی السّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (مولا علیؑ) صفحہ نمبر۔ ۵

• مَنۡ عَرَفَ نفۡسَهُ فَقَدۡعَرَفَ رَبَّهُ (مولا علیؑ) صفحہ نمبر۔ ۷

• اَنَا واللّٰهِ وَجۡهُ اللّٰهِ (مولا علیؑ) صفحہ نمبر۔ ۲۰۳

• اَنَا وَجۡه اللّٰهِ، اَنَاجنبُ اللّٰهِ، اَنَایدُاللّٰهِ، اَنَاعینُ اللّٰهِ۔ اَنَا القرآن النّاطق و اَنَا البُرهان الصَّادق واَنَااللوح المحفوظ اَنَاالقلم الاعلٰی ۔اَنَاالٓمٓ۔ ذالک الکتٰب ۔اَنَا کهٰیٰعٓصٓ ۔اَنَاطٰه۔ اَنَاحاء الحوامیم و اَنَاطاء الطواسین ۔ اَنَاالممدوح فِی هَلۡ اتیٰ۔وَاَنَاالنُّقطة تحتِ الباء۔ (مولا علیؑ) صفحہ نمبر۔۲۰۴

• اَنَا عینُ اللّٰهِ فِي اَرضِهٖ وَ لِسَانُهُ النّاطِق فی خَلقِهٖ اَنَا نُورُ اللّٰهِ الذّی لا یُطفٰی اَنَابَابُ اللّٰهِ مِنهُ یُوتیٰ وَ حُجَّتُهُ عَلٰی عِبَادِهٖ. (مولا علیؑ) صفحہ نمبر۔ ۲۱۰

• قرآنی علم وحکمت کے عالم کا سورج آیۂ مصباح، چاند آیۂ سراج اور ستارے دوسری آیاتِ نور ہیں، (حضرت امام سلطان محمّد شاہ) صفحہ نمبر۔ ۵۸-۵۹

◦ زدنیا تا بعُقبیٰ نیست بسیار ولی دررہ وجودِ تُست دیوار
(حکیم پیر ناصر خسرو) صفحہ نمبر۔ ط، ۱۵۱

◦ از دلِ حُجّت بحضرت رَه بُوَد او بتائیدِ دلش آگه بُود
(از کتابِ خیر خواہ) صفحہ نمبر۔ ۱۶۰

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

فہرستِ الاعلام

اسماء .... صفحہ نمبر

حضرتِ آدمؑ .... ۱۲، ۳۷، ۴۰، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۶۶،
۱۶۷، ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۲۳

حضرت ابراھیمؑ.................. ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۸۰، ۱۹۲، ۲۱۷،
۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰

حضرت ابوطالب.................. ۲۱۹

حضرت اسرافیلؑ.................. ۱۹۷

حضرت اسماعیل.................. ۲۱۹

حضرت جبرائیلؑ.................. ۹۹، ۱۴۱

حضرت داوٗدؑ.................. ۱۲۷، ۱۲۸

حضرت سلمان فارسی.................. ۴۳

حضرت عیسیٰؑ .... ۱۳، ۶۸، ۷۴

حضرت محمد مصطفیٰؐ .... ۲۶، ۲۸، ۳۱، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۴۱، ۱۴۵،
۱۸۷، ۲۱۸

حضرت مریم علیہا السّلام.................. ۲۰۳

حضرت موسیٰؑ .... ۱۳، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۳۳، ۴۲، ۵۳، ۷۱،
۷۸، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۹۹

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اسماء .... صفحہ نمبر

حضرت نوحؑ .... ۱۲، ۱۹۳

حضرت یوسفؑ...................... ۱۴۲

سیّدنا، پیرناصرخسرو............ ط، ۶۳، ۱۵۱

مولانا علیؑ/ مرتضیٰ علیؑ .... ۵، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۳۸، ۸۹، ۹۱، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۶۵، ۱۹۴، ۲۰۳

مولانا شاہ کریم الحسینی حاضرامام..... ۳۸، ۶۳

مولانا ھارونؑ.......... ۲۳، ۲۴، ۴۲، ۵۳، ۵۴، ۱۶۲، ۱۶۳

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اسمائے کُتب

کتاب کا نام .... صفحہ نمبر

امام شناسی .... ج، د

انجیل .... ۶۸، ۶۹، ۷۰

توریت .... ۲۲، ۲۳، ۵۴، ۶۷، ۶۸،
۶۹، ۷۰، ۱۶۱، ۱۶۲،
۱۶۳، ۱۶۴

دعائم الاسلام (جزءِ اوّل) ۱۶۵

کتاب الامامۃ فی الاسلام ۱۹۳

کتاب روشنائی نامہ ۱۵۱

کوکبِ دُرّی ۲۰۵

وجہِ دین (حصۂ اوّل) ۶۵

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

اصطلاحات

اصطلاح .... صفحہ نمبر

آیات = ائمّہ اطہار علیہم السّلام ۱۶۷

اجتماعی قیامت/ .... ۹۶، ۲۰۷، ۲۰۸

مجموعی قیامت = روحانی قیامت

احاطۂ نورانیت = حظیرۂ قدس ۲۱۴

اختیاری موت/نفسانی موت/ ...... ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۵۲

تجرباتی موت = روحانی موت

اساس (حدود) .... ۳۱، ۵۴، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۹۲

اسمِ بزرگ/اسمِ اعظم .... ۹۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۹۸

اُم الکتاب .... ۲۷، ۲۸

امام المتقین ۳۹

امام شناسی............. ج، ۶، ۸، ۹، ۱۱، ۵۰، ۶۱، ۷۷، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۶۶، ۱۹۴، ۲۳۲

انسانِ کامل .... ۴، ۶، ۴۴، ۶۵، ۸۲، ۸۳، ۹۲، ۹۴، ۹۵، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۲۲، ۱۳۴، ۱۸۷

اِنسی شیاطین............ ۱۵۸، ۱۵۹

اصطلاح.................... صفحہ نمبر

انفرادی قیامت/ .... ۹۶، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۷، ۲۰۷
شخصی قیامت=روحانی قیامت

اولوالامر/صاحبانِ امر/ .... ۱۳، ۳۶، ۱۱۲، ۱۲۷، ۱۶۶، ۲۱۶، ۲۱۷
ولیٔ امر/صاحبِ امر

پیکرِ نور = نورانی بدن ۵۲

تزکیۂ نفس ۴۵

جد(حدود) ۱۳

جزوی موت ۱۵۰

جنّی شیاطین .... ۱۵۸، ۱۵۹

چشمِ بصیرت .... ۵۸، ۷۶، ۷۹، ۱۶۹، ۲۰۶، ۲۲۹

حُجت/ حُجّانِ جزائر/پیر .... ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۲۴، ۷۹، ۸۷، ۸۸، ۱۵۹،
۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۳

حجتِ اعظم .... ۷۶، ۸۷

حُجّانِ مقرب ۸۷

حق الیقین/انتہائی معرفت .... ۴، ۶، ۵۰، ۷۹، ۸۸

حقیقت .... ۵، ۱۴۴

حکمتِ بالغہ ۹۴

خداشناسی=معرفت .... ۴، ۱۴۹

خلافتِ الٰہیّہ ۱۲۵

خودشناسی ۴

اصطلاح.................. صفحہ نمبر

خیال (حدود)............ ۱۳

دورِ نبوت.......... ۳۷، ۸۷، ۸۸، ۱۲۵

دورِ امامت.......... ۳۷، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۱۲۵

دورِ قیامت/ دورِ روحانیت........ ۳۷، ۴۸، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۹۷

ذُرّیت/ ذرّات.......... ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۴

روحِ اعظم/ نفسِ کل/.......... ۱۳، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۵۲، ۵۸، ۸۰، ۸۸،

روح الارواح/ کرسی/ ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۳۱،

لوحِ محفوظ/ روحِ کلی/ ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۹، ۱۷۳، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۰،

نفسِ کلی/ عالمگیر روح ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳

روح القدس/ روحِ قدسی/........ ۶، ۷، ۸، ۲۳، ۲۴، ۵۳، ۷۲، ۸۰،

روح الامین ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۰۳، ۲۰۸، ۲۲۶، ۲۲۷

روحِ قرآن........ ۱۱۴

سراجِ مُنیر/ روشن چراغ........ ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۳۸، ۱۸۸

شہید/ شہداء........ ۳۵، ۱۰۶، ۱۰۷

طریقت/ منہاج........ ۵، ۲۹، ۱۴۴

عارف........ ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵

عالمِ امر........ ۱۵۴، ۱۹۹، ۲۱۵

عالمِ انسانیت........ ۶۱، ۸۳، ۹۷

عالمِ دین........ ۷۱، ۷۵، ۷۶، ۸۳، ۸۷، ۹۲، ۱۰۸،
۱۰۹، ۱۳۸، ۲۲۴، ۲۲۵

عالمِ شخصی/ زمینِ شخصیت........ ۱۱۱، ۲۲۶

ISW IS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اصطلاح .... صفحہ نمبر

عرفانی ہدایت ۲۰۲
عقلِ کُل/عرش/قلم/ .... ۱۳، ۲۸، ۳۱، ۵۲، ۵۸، ۸۰، ۸۵، ۱۱۲،
قلمِ اعلیٰ ۱۱۸، ۱۳۶، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۰، ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶
علم الاسماء..................... ۱۴۰
علمِ لدّنی .... ۱۴۳، ۲۲۵
علم الیقین/ابتدائی معرفت .... ۶، ۵۰، ۷۹، ۸۸، ۱۵۴
فتح (حدود) ۱۳
کائناتی بہشت .... ج
کتابِ مُنیر/روشن کتاب .... ۵۸، ۶۵، ۷۹، ۸۸، ۹۳، ۹۴
کتابِ ناطق/قرآنِ ناطق/ .... ۲۷، ۶۵، ۹۹، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۲۰۴
کتابِ مُبین
کلمہ/کلمات .... ۱۲، ۱۳، ۱۶
کلمۂ باری/امرِ کل .... ۲۲۴، ۲۲۶
کلمۂ کُن/کُن .... ۱۵۴، ۲۱۳، ۲۲۴، ۲۲۶
گریہ وزاری ۸۹
مثلِ اعلیٰ .... ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۸۹
معجزانہ ہدایت .... ۱۴، ۲۴
معرفت=خداشناسی .... ج، ۵، ۶، ۸، ۲۱، ۶۷، ۸۴، ۱۲۸،
۱۴۴، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۱، ۱۶۵، ۱۷۳، ۱۷۴،
۱۷۵، ۱۸۳، ۲۰۴، ۲۳۲

اصطلاح .... صفحہ نمبر

ملکوت .... ۱۵۰، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۹

نورِ امامت .... ۱۷، ۳۹، ۵۳، ۶۳، ۶۷، ۶۹، ۷۱، ۷۴،
۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹،
۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲،
۱۱۸، ۱۴۱، ۱۴۲

نورِ مطلق/مطلق نور .... ۵۸، ۶۰، ۶۱، ۱۰۴، ۱۳۷، ۱۷۸، ۱۸۶،
۱۸۷، ۲۰۰، ۲۰۹

نورِ معرفت .... ۵، ۳۰، ۶۸، ۹۲، ۹۳، ۱۰۳، ۱۲۹

ہادیٔ برحق .... ۱۵، ۳۵، ۹۵، ۱۰۱، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۲،
۱۴۹، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۴

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

Table of Contents

www.monoreality.org

ISBN 1-903440-17-3

9 781903 440179